بچوں میں اسلامی اَقدار اُجاگر کرنیوالی مؤثر کتاب

بڑوں کا بچپن

قدم بہ قدم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر موجودہ دور تک کے
اکابر حضرات کا بچپن ..... نصیحت اور سبق آموز واقعات
پہلی مرتبہ بچوں کیلئے عام فہم آسان انداز میں پہلی دلچسپ کتاب
جسکے مطالعہ سے بچے بھی اپنا بچپن مثالی اور باکمال بنا سکتے ہیں

عبداللہ فارانی

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بڑوں کا بچپن

قدم بہ قدم

بچوں میں اسلامی اقدار اُجاگر کرنیوالی مؤثر کتاب

بڑوں کا بچپن

قدم بہ قدم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر موجودہ دور تک کے
اکابر حضرات کا بچپن..... نصیحت اور سبق آموز واقعات
پہلی مرتبہ بچوں کیلئے عام فہم آسان انداز میں پہلی دلچسپ کتاب
جسکے مطالعہ سے بچے بھی اپنا بچپن مثالی اور باکمال بنا سکتے ہیں

عبداللہ فارانی

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بڑوں کا بچپن

تاریخ اشاعت..............جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

ناشر..............ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت..................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ... چوک فوارہ... ملتان — مکتبہ الفاروق ... معریال روڈ چوہڑ ہڑپال راولپنڈی

ادارہ اسلامیات .... انارکلی .... لاہور — دارالاشاعت ...... اردو بازار .... کراچی

مکتبہ سید احمد شہید ...... اردو بازار ..... لاہور — مکتبۃ القرآن ..... بنوری ٹاؤن .... کراچی

مکتبہ رحمانیہ ..... اردو بازار .... لاہور — مکتبہ دارالاخلاص ... قصہ خوانی بازار ..... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

محترم والدین اور پیارے بچو!

انسانی زندگی تین مراحل کا مجموعہ ہے... بچپن... جوانی... اور بڑھاپا

عموماً بچپن کا دور جو تقریباً بارہ تیرہ برس تک رہتا ہے اسے کھیل کود کا زمانہ سمجھا جاتا ہے اس ابتدائی اہم دور کو تعلیم و تربیت اور جسمانی نشو و نما میں خاص اہمیت حاصل ہے یہی وہ زمانہ ہے جس میں جن اچھی عادات پر طبیعت پختہ ہو جائے وہ مرتے دم تک رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن باکمال لوگوں سے خدمت دین کے اہم فریضہ کا کام لینا ہوتا ہے ان کا بچپن دوسرے بچوں سے ممتاز اور قابل رشک ہوتا ہے بلکہ سعادت مند بچے پنگھوڑے ہی میں پہچان لئے جاتے ہیں۔ ایسے نیک بخت حضرات کا بچپن دوسرے بچوں کیلئے نصیحت آموز ہوتا ہے اور بڑوں کیلئے ہمت افزا بھی۔

آج سے تقریباً سات سال قبل بندہ نے حضرات انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، اولیا عظام اور علمائے امت کی سوانح حیات سے بچپن کی زندگی کے دلچسپ واقعات جمع کر کے "مثالی بچپن" کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی۔

اللہ کے فضل سے یہ کتاب بچوں اور بڑوں کیلئے یکساں نافع ہوئی ہے اور قارئین نے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ لیکن اس کتاب میں واقعات کو صرف جمع کر دیا گیا تھا اس لئے بعض الفاظ بچوں کی سمجھ سے بالاتر بھی تھے اور انداز بھی آسان نہ تھا۔

دور حاضر میں بچوں کے ادیب محترم اشتیاق احمد صاحب (عبداللہ فارانی) جو اپنے فن میں کمال رکھتے ہیں بندہ نے انہیں درخواست کی کہ اس کتاب کے واقعات کو اپنے انداز میں تحریر کر دیں تو بچوں کی نفسیات کے مطابق جدید انداز میں شائع کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ محترم اشتیاق احمد صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے اپنی شبانہ روز کی مصروفیات کے باوجود کتاب ہذا کا نصف حصہ تحریر کیا اور بقیہ مسودہ کے بارہ میں جو ہدایات دیں ان کی روشنی میں تکمیل کردی گئی۔

علاوہ ازیں اکابر کے بعض واقعات جو مثالی بچپن میں بھی نہ تھے وہ بھی شامل کتاب کیے گئے ہیں۔ زیر نظر کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب۔1۔ انبیاء علیہم السلام کا بچپن

باب۔2۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن

باب۔3۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بچپن

باب۔4۔ تابعین... فقہاء... محدثین رحمہم اللہ اور سلاطین امت کا بچپن۔

باب۔5۔ برصغیر پاک وہند کے اکابر کا بچپن۔

اس طرح اسلامی تاریخ کی اہم شخصیات کے بچپن کو اس کتاب میں سمو دیا گیا ہے کوشش کی ہے کہ کوئی واقعہ حوالہ کے بغیر نہ ہو تاہم جن واقعات کا حوالہ نہیں دیا گیا ان کا ماخذ ''مثالی بچپن'' ہی ہے۔ اس لئے ہر جگہ اس کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

بچے ہمارا مستقبل ہیں تو بچیاں قوم کی اولین درس گاہ ہیں جن کی گود میں قوم نے پروان چڑھنا ہے۔ اسی لئے بچوں اور بچیوں کی دینی تربیت سے غفلت انفرادی جرم نہیں بلکہ اس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

زیر نظر کتاب انتہائی سہل انداز میں لکھی گئی ہے جسے نہ صرف بچے آسانی سے پڑھ سکتے ہیں بلکہ بڑے لوگوں کے بچپن سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح نوجوان اور بڑی عمر کے لوگ بھی اس ہمت افزا کتاب سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو بڑوں اور بچوں سب کیلئے سبق آموز بنائے اور ہمیں بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

والسلام محمد اسحٰق غفرلہ

جمادی الاولیٰ 1430ھ بمطابق مئی 2009ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا محمد اسحٰق ملتانی صاحب سے ایک خاص قسم کا تعلق چلا آ رہا ہے... یہ خاص تعلق خاص طور پر کافی پرانا بھی ہے لیکن بہرحال بچپن کا نہیں... اسی لئے جب انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں بچپن کی باتیں لکھ دیں... اور لکھ بھی دیں "قدم بہ قدم" تو میں بہت حیران ہوا... اس وقت میں یہ گمان کر بیٹھا تھا کہ وہ میرے بچپن کی بات کر رہے ہیں... لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ میرے نہیں اسلامی شخصیات کے بچپن کی بات کر رہے ہیں تو میں نے اطمینان کا سانس لیا... کتاب کا نام "بڑوں کا بچپن قدم بہ قدم" تجویز کیا تو انہوں نے پسندیدگی کی سند عطا کر دی... اس کے بعد میں نے کام شروع کر دیا لیکن رفتار بہت سست رہی، اس کی بھی کچھ بہت خاص وجوہات تھیں... اب ان وجوہات کو کیا گنوانا کہ آپ کو آم کھانے سے غرض ہے پیڑ گن کر کیا کریں گے...

پیڑ گننے کا کام ہم مولانا اسحٰق ملتانی صاحب پر چھوڑتے ہیں اور بڑوں کے بچپن کی بات کر لیتے ہیں اس موضوع میں بہت جاذبیت ہے دلکشی ہے... بڑوں کی بڑی باتیں سامنے آجاتی ہیں اپنے تصور میں ہم انہیں بہت کچھ کرتے دیکھ لیتے ہیں...

بچپن کسے عزیز نہیں، بڑے... بوڑھے اپنے بچپن کی باتیں ذوق اور شوق سے بیان کرتے سنائی دیتے ہیں... اس لحاظ سے جب بہت بڑوں کی بہت بڑی باتیں سامنے آئیں گی تو بات ہی اور ہو گی... اور یہ باتیں آپ کو کہیں کا کہیں لے جائیں گی... لیکن فکر نہ کریں خیر و عافیت کے ساتھ لے جائیں گی...

''قدم بہ قدم'' لفظ کا تعلق چونکہ عبداللہ فارانی کے نام کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے اس کتاب پر بھی آپ کو مؤلف کی جگہ عبداللہ فارانی کا نام ہی نظر آئے گا جبکہ ''دو باتیں'' کا تعلق دور کا بھی عبداللہ فارانی سے نہیں ہے اس لئے ان ''دو باتیں'' کے نیچے اگر آپ کو اشتیاق احمد کا نام نظر آئے تو اس سے حیران اور پریشان نہ ہو جایئے گا کہ یہ زندگی کے رخ ہیں...

موضوع کے نئے پن کے ساتھ بات جب آسان پیرائے میں کی جائے تو اس کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور جب باتیں بھی ہوں بڑوں کی... تو دوبالا کی بجائے نجانے کتنا زیادہ ہو جاتا ہے اس کا اندازہ آپ یہ کتاب پڑھتے ہوئے بخوبی لگا ہی لیں گے... ان شاءاللہ

والسلام

اشتیاق احمد

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ابتدائیہ

والدین کے نام اہم پیغام

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

فرماتے ہیں کہ ماں کی گود بچے کیلئے ابتدائی مکتب ہے...اگر اس مکتب میں اس کی اچھی تربیت ہوئی تو پھر آخر تک اس کی اسی طرز پر تعلیم و تربیت ہوتی رہتی ہے اور اگر خدانخواستہ بچپن ہی سے بری صحبت اور غلط تربیت ہوئی تو بہت مشکل ہے کہ پھر آئندہ اس کی اصلاح ہو سکے..بقول شاعر

نیک ماؤں سے ہوتی ہے ابتداء تعلیم　　کیونکہ ہے آغوش مادر سب سے پہلا مدرسہ

فرماتے ہیں بچہ پیدا ہوتے ساتھ ہی تربیت کے قابل ہوتا ہے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب بچہ چار یا پانچ سال کا ہوگا اس وقت اس کی تربیت کا وقت ہوگا مگر یہ صحیح نہیں جبکہ اس سے پہلے بھی اس کے سامنے کوئی برا کلمہ نہیں کہنا چاہئے اور نہ ہی کوئی برا انداز ان کے سامنے اختیار کرنا چاہئے...امام غزالی نے لکھا ہے کہ ایک والدین نے طے کیا کہ امید کے ان دنوں میں کوئی گناہ نہیں کریں گے تاکہ بچے پر اس کا غلط اثر مرتب نہ ہو...

چنانچہ بچہ پیدا ہوا...اس کے بعد بھی اس کی نگرانی کی گئی ایک دن دیکھا کہ اس نے پڑوس کی ایک کھجور اٹھا کر چپ چاپ کھالی...اس کو دیکھ کر والدین کو بہت افسوس ہوا آخر کار بات یہ کھلی کہ امید کے دنوں میں ایک دن اس کی ماں کو بہت سخت

بھوک لگ رہی تھی اور کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا تو پڑوس کے گھر کے درخت کی شاخ جو اس کے گھر آئی ہوئی تھی اس میں سے اس نے ایک کھجور چپ چاپ کھالی تھی جس کا اثر بعد میں بچے پر بھی ہوا... (مقالات غزالی)

حضرت امام رازی رحمہ اللہ کا فرمان

فرماتے ہیں کہ ماؤں کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں سب سے پہلے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ یہ بچے صرف ان کے ہی نہیں بلکہ قوم کے ہیں..

اگر ان کی تعلیم و تربیت میں کسی قسم کی کوئی خرابی ہوئی تو پوری قوم کے ساتھ انتہائی بے ایمانی اور پوری قوم کے ساتھ غداری ہوگی اور یہ ایسی خیانت ہوگی کہ اس کا کوئی بدلہ ہو ہی نہیں سکتا...

بچوں کو شروع سے ہی عقائد' عبادات' حسن معاشرت' اخلاق' حسن عمل' حسن سلوک کی عادت ڈالنی چاہئے تاکہ وہ بڑے ہو کر اپنی قوم کا سچا رہبر بن سکیں... (کتاب اصلاح)

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

فرماتے ہیں کہ بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان کی دماغی اور ذہنی صلاحیتوں کی حفاظت اس قدر ضروری ہے کہ اتنی اور کوئی چیز ضروری نہیں جس وجہ سے مسلمان عورت (ماں) اپنے بچے کی تعلیم و تربیت میں دن و رات مشغول رہتی ہے...

وہ اس لئے بچوں کی تربیت نہیں کرتی کہ وہ بچہ بڑھاپے میں ان کے کام آسکے گا بلکہ ان کی تربیت اور ان کی محنت و شفقت کا مقصد ہی صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ بچے قوم کی امانت ہیں اور ان کی صحیح تربیت کر کے قوم کے سپرد کرنا ہے...

اسی مقصد کے پیش نظر اگر ہمارے یہاں کے بچوں کا دوسرے اقوام کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ان میں زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا... (ابن خلدون)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

فرماتے ہیں کہ میری والدہ کا معمول تھا کہ جس دن ہمارے گھر میں کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو والدہ فرماتیں کہ آج ہم سب اللہ کے مہمان ہیں مجھے یہ بات سن کر بہت مزہ آتا...

ایک دن ایک شخص بہت سا غلہ ہمارے گھر دے گیا جس کی وجہ سے چند دنوں تک مسلسل روٹی پکتی رہی۔

مگر مجھ کو تمنا تھی کہ والدہ جو فرماتی تھیں کہ ہم اللہ کے مہمان ہیں وہ کب آئے گا آخر ایک دن جب وہ غلہ ختم ہو گیا تو والدہ نے کہا کہ سب خدا کے مہمان ہیں...

یہ سن کر مجھے ایسا ذوق وسرور حاصل ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا...(تاریخ دعوت وعزیمت)

امت مسلمہ کی ماؤں کے نام ایک پیغام

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے

آج میں ایک سوانح نگار کی حیثیت سے کہتا ہوں کوئی تعریف کی بات نہیں لیکن ذرا اپنی بات کا وزن پیدا کرنے کیلئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حیثیت کے مطابق کہ جو کچھ لکھنے کے موضوعات ہیں اور ان میں سے خاص سوانح نگاری کے موضوع پر عطا ہوا ہے۔

اور مجھے سعادت حاصل ہے کہ میں نے بزرگان دین کی سوانح عمریاں بہت پڑھی ہیں... عربی میں بھی فارسی میں بھی اور اردو میں بھی اور ان کے حالات کہ تمام دنیا کا جن پر اتفاق ہے کہ یہ مقبولان بارگاہ الٰہی تھے اور یہ امت کے ہیرے جواہرات کیا یہ ان کی توہین ہوگی...کہا جائے کہ امت کے مفاخر میں سے ہیں اور یہ امت کی اور دین کی صداقت کی دلیلیں ہیں...ان میں جتنے بھی بڑے نام لئے جاسکتے ہیں...

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام ہندوستان میں آیئے تو خواجہ نظام الدین اولیاء کا نام بھی آتا ہے میں انہیں دو ناموں پر اکتفا کرتا ہوں...

ان دونوں کے حالات میں نے پڑھے ہیں...

ان کے ان مستند ماخذوں میں جن سے زیادہ ماخذ نہیں ہو سکتے اور میرا تعلق چونکہ ندوۃ العلماء لکھنو سے ہے اور اس کے کتب خانے سے ہے...اس لئے مجھے ان کی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا جس کی بڑے بڑے فضلاء کو نوبت نہیں آتی ہے اس کے خاص اسباب تھے ان دونوں کے تعلق میں کہہ سکتا ہوں کہ ان پر جو بنیادی اور سب سے زیادہ اثر پڑا ہے وہ ان کی مائیں ہیں...

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب بغداد کا رخ کیا تا کہ وہاں آ کر دینی

تعلیم بھی حاصل کریں...

بغداد جو اس وقت ساری دنیائے اسلام کا صرف خلافت کا مرکز ہی نہیں تھا بلکہ سب سے بڑا دارالعلوم' دارالعلم تھا' دارالفضل تھا' روحانیت کا مرکز تھا...

چوٹی کے مرشدین مربین وہاں پائے جاتے تھے... وہاں تعلیم کے ایسے انتظامات تھے جو کہیں اور نہیں ہو سکتے تھے اور خلافت کا وہاں سایہ تھا... یہ واقعہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانیؒ چلنے لگے تو ان کی والدہ نے کہا کہ دیکھو بیٹا ایک نصیحت کرتی ہوں کہ جھوٹ کبھی نہ بولنا' چنانچہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ جب وہ قافلہ چلنے لگا' وہ قافلوں کا زمانہ تھا اور رہزنی بھی ہوتی تھی...

راستے میں ڈاکے بھی پڑتے تو چوروں کی ایک ٹولی نے قافلہ پر حملہ کیا چور وہ ہر ایک سے پوچھتا تھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ سب کہتے تھے کہ کچھ نہیں ہے' ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور ہم بالکل خالی ہاتھ ہیں پھر وہ ٹٹولتا تھا اور دیکھتا تھا بڑی دولت نکلتی تھی وہ سب پر قبضہ کرتا تھا اور اس آدمی کی توہین بھی کرتا تھا اور سزا بھی دیتا تھا...

چنانچہ یہی ہوتا رہا یہاں تک کہ کچھ لوگ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے اور کہا

کہ کچھ ہے تمہارے پاس؟

آپ نے کہا

ہاں ہے' ہمارے پاس کچھ اشرفیاں ہیں جو ہماری والدہ نے دی تھیں۔ وہ موجود ہیں۔

تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ صرف اسی ایک جملے سے وہ سب تائب ہو گئے کہ اوفو! یہ لڑکا! سب جھوٹ بولتے ہیں اور یہ سچ بول رہا ہے کہہ سکتا تھا کہ ہمارے پاس بھی کچھ نہیں ہے اور اس کی صورت شکل سے' لباس سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ کسی بڑے گھرانے کا لڑکا نہیں ہے... لیکن اس نے صاف کہہ دیا کہ ہمارے پاس اتنی دولت ہے انہوں نے دولت بھی چھوڑ دی اور اپنا طریقہ بھی چھوڑا اور ایمان لائے...

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے آپ تقریباً ہر بزرگ کے حالات میں دیکھیں گے کہ ان کی تربیت میں سب سے بڑا حصہ ان کی ماں کا ہے' ان کی بڑی بہنوں کا ان کے گھر والوں کا ہے'

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی محبت کہ جو کسی ہستی کے پاس نہ ہو ان کے نام پر ہر آدمی کا بے چین ہو جانا اور انکا انتہائی ادب کے ساتھ نام لینا اور اسے مبارک سمجھنا یہ سب گھر کے ماحول سے ہوتا ہے...

ایسے ہی خلفائے راشدین کی عقیدت اور یہ کہ وہ مستحق تھے خلافت کے یہی ترتیب صحیح ہے یہ بھی عقیدہ گھر ہی میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد برائی سے دوری اور نفرت یہ بھی کوئی اخلاقی تعلیم نہیں پیدا کر سکتی یہ بھی گھر کی تعلیم پیدا کرتی ہے۔

کسی کا دل نہیں توڑنا چاہئے اور نا انصافی نہیں کرنا چاہئے' کسی بزرگ یا بڑے کی بے ادبی نہیں کرنا چاہئے اور کوئی ایسا کام جو شریعت کے خلاف ہو نہیں کرنا چاہئے...

یہ چیزیں وہ ہیں جو کسی دلیل اور فلسفہ سے نہیں پیدا ہوتیں یہ گھر کے ماحول سے پیدا ہوتی ہیں...اور ماں باپ کے کہنے سننے سے پیدا ہوتی ہیں..ان میں سب سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ یہ کہ شرک سے نفرت ہونی چاہئے...ہر شکل میں کوئی بھی شکل ہو شرک کی جس میں خدا کے علاوہ کسی کو قادر سمجھا جائے....مالک سمجھا جائے نفع وضرر کا۔

یہ بات محض دلائل سے نہیں نکلتی' جذباتی طور پر' حسی طور پر' باطنی طور پر اس طرح کی گھر میں باتیں ہوں' بچپنے سے ہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے واقعات کہ آپ نے ہر قسم کے شرک کو رد کر کے آگ میں کود جانا پسند کیا جسے خدا نے ان کیلئے رحمت بنا دیا...

یہ واقعات اس طرح سے سنائے جائیں کہ بچے کے دل پر نقش ہو جائیں اور اس شرک سے نفرت ہو۔

پھر اللہ اور توفیق دے' تو بدعت سے نفرت ہو' اسراف یعنی فضول خرچی سے نفرت ہو' کسی کا دل توڑنے سے نفرت ہو۔

آج ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے' کیا یونیورسٹیاں نہیں ہیں؟

کیا اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم نہیں ہے؟

کیا انگریزی کا رواج نہیں ہے؟

کیا وہ لوگ نہیں جو یورپ وامریکا جاتے رہتے ہیں اور وہاں کی ترقیاں دیکھتے رہتے ہیں۔کہاں گئیں وہ تصنیفات' یورپ کے بڑے بڑے اخلاق دانوں کی اور ہندوستان کے

بڑے بڑے لکھنے والے سنیاسیوں کی؟

اردو زبان کے بولے جانے اور اس کے کان میں پڑنے پر یہ سزا دی گئی کہ کئی لوگوں کا خون بہہ گیا اور حکومت کو مجبور ہو کر روکنا پڑا اور اس طرح کے جو واقعات ہیں...

بچوں پر ہاتھ اٹھانا' بچیوں پر ہاتھ اٹھانا اور یہاں تک کہ وہ چیز جو زبان سے کہنے کی نہیں وہ سب ہو جانا اور یہ جو فسادات ہو رہے ہیں ان میں جو سفا کی' خونریزی اور انسان دشمنی کی بو آتی ہے یہ سب کس کا نتیجہ ہے۔

میں صاف کہتا ہوں کہ یہ اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے گھروں میں۔ انہیں وہ تعلیم نہیں دی جا رہی ہے۔

وہ ایمانی تربیت، اور وہ اخلاقی تربیت نہیں کی جا رہی ہے جس سے جب بچے گودوں میں پل کر جوان ہوں تو ان کے ذہن میں وہی سب بیٹھا ہو اور گھٹی میں پاک چیزیں ڈالی جائیں جس سے برائی سے نفرت پیدا ہو' ظلم و سفاکی سے نفرت پیدا ہو۔

انسان کا دل توڑنے سے آدمی کانپ جائے اسی ملک کے فقراء و بزرگان دین گزرے ہیں... ان کے حالات پڑھئے کہ یہ بیج سب سے پہلے اور شروع میں ان کے گھر میں پڑا تھا...

اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی ایسے خاندان پیدا کئے شرفاء کے خاندان پیدا کئے اور علماء کے خاندان پیدا کئے جہاں شروع سے ان باتوں سے رغبت پیدا کی جاتی ہے...

میں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ میرے بچپن سے جن دو چیزوں کا لحاظ رکھا گیا... میری تربیت میں' میں اس کا ممنون احسان ہوں اور میں نے کاروان زندگی میں اس کو لکھا بھی ہے اور آپ سے بھی کہتا ہوں...

ایک تو یہ کہ کوئی حرام لقمہ نہ جانے پائے...

اور دوسری بات یہ کہ ہم کسی کے دل کو نہ دکھانے پائیں... آج اسی کی کمی ہے آپ جو کچھ دیکھتے ہیں اور اس ملک کا بگاڑ دیکھتے ہیں... وہ اقدامات اور وہ تحریکات تک جو انسانیت کے منافی ہیں' جو شرافت کے منافی ہیں جو فطرت انسانی کے منافی ہیں...

یہ سب جو کچھ ہو رہا ہے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ گھروں کی تعلیم ختم ہوگئی اور سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں پر انحصار رہا... اخباروں سے سیکھو جو کچھ سیکھنا ہو کالجوں میں اور یونیورسٹیوں

میں سیکھو اور پڑھو' گھر میں کوئی بات اخلاق کی ایسی نہیں کہی جاتی ہے... (الا ماشاءاللہ)

لیکن شاید دس یا پانچ فیصدی ایسے گھر نکلیں گے جو بچپن سے عقیدہ درست کرنا...

اللہ سے ڈرنا...

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت پیدا کرنا...

اور انسان کا احترام کرنا اور جھوٹ سے' فریب سے بچنے کی تعلیم دینا...

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا' مانگنا' اسی کو کارساز سمجھنا اور انسان کو کسی مذہب کا انسان ہو کسی طبقہ اور حیثیت کا انسان ہو اس کا دل نہ دکھانا اور اس کی مدد کرنا...

یہ وہ چیزیں ہیں جو اٹھ گئی ہیں... پہلے آپ دیکھئے کہ ایسے واقعات ملتے ہیں کہ تصدیق کرنا مشکل ہوتا ہے کہ بچہ اپنا کھانا دوسرے کو پیش کر دے اور کھلا دے کہ یہ زیادہ بھوکا ہے اور ایثار کے واقعات جو خانقاہوں میں ملنے چاہئے تھے...

یہ سب گھر کی تربیت کا نتیجہ ہے...

عورتیں اس کا خیال رکھیں کہ نئی نسل کی تربیت کرنا ہے... اس کے عقائد بھی درست کرنے ہیں... اس کی عادتیں بھی ٹھیک کرنی ہیں اور اس کا مزاج بھی بنانا ہے...

دیکھئے مزاج بنانے کی بات ہے میں نے گھٹی کی جو بات کہی ہے ایک چیز ہوتی ہے... دماغ بننا اور ایک چیز ہوتی ہے دل بننا اور مزاج بننا اصل حکومت جس کی ہے...

اور دنیا میں جو خیر و شر پیدا کرتی ہے وہ دماغ بننا نہیں' دماغ بنانے والے لوگوں کی میں نے تاریخ پڑھی ہے' میں نے یونان کی تاریخ پڑھی ہے...

ایران کی تاریخ پڑھی ہے...

انتہائی عروج کے زمانے کی کیا حالت تھی' کوئی بیان نہیں کر سکتا ہے...

لیکن اصل میں عقائد ان کے پیوست کرنا ہے اور اچھے اور برے ہونے کا احساس فطری طور پر پیدا کرنا ہے اس میں تکلیف کی ضرورت نہ ہو خود بخود گھن آئے برائی سے نفرت ہی نہ ہو...

میں معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس سے گھن آئے کہ کس چیز کا تم نے نام لے لیا' توبہ توبہ' اب آئندہ نہ کہنا...

یعنی بچہ بچے سے کہے...

دوست دوست سے کہے کہ تم نے اب نام لے لیا اب آئندہ میں سن نہ سکوں گا تم نے چوری کا نام لیا ہے' تم نے ظلم کا نام لیا' تم نے خنجر گھونپنے کا نام لیا' تم نے توہین کرنے کا نام لیا' میں سن نہیں سکتا ان باتوں کو...

اور ایسی عورتیں ہوں جن کو خود بھی گناہوں سے نفرت ہو اور غلط عقائد سے نفرت ہو اور یہ بھی جذبہ ہو کہ جب بھی موقع ملے گا اس کی نفرت اور اس کی برائی پیدا کریں گی... اللہ تعالیٰ توفیق دے اور کامیاب بنائے...

گھر کا ماحول عورتوں ہی سے بنتا ہے

ہمارا پورا نظام معاشرت بلکہ نظام زندگی و نظام مذہبی بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا کہ بیبیاں اور بچیاں بھی اسلام سے واقف ہوں اور گھر میں جو کچھ ماحول ہوتا ہے وہ تو بیویوں اور بیٹیوں ہی کا ساختہ پرداختہ ہے...

اگر گھر کے اندر اسلامی فضا نہیں ہے' دینی تعلیمات نہیں ہیں' اسلامی اخلاق نہیں ہیں تو پھر اس نسل کی اسلامی پرورش ہو ہی نہیں سکتی...

اس لئے ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اس کا ہمیشہ اہتمام رکھا گیا اور امت کا طبقہ نسواں بھی ہمیشہ نہ صرف یہ کہ علم سے واقف بلکہ علم پھیلانے والا بھی رہا اور تذکرہ کی کتابوں میں ایسی بیویوں کے نام ملتے ہیں جو بڑی فاضلہ عالمہ تھیں اور جن کی وجہ سے خاندان کے خاندان بلکہ اس زمانہ میں ملت کا پورا حصہ دین سے واقف تھا اور دین پر کاربند تھا...

ان کے کارنامے آپ دیکھیں بلکہ بعض خاندانوں کا ایمان بچایا ہے مستورات نے کہ انہوں نے شروع سے بچیوں کی ایسی تربیت کی اور اسلامی اور دینی غیرت کا اظہار کیا اور نقش کر دیا اور سچ پوچھئے تو دل کی بھٹی میں دل کی خاک میں اور دل کے کشت زار میں تخم مائیں ڈال سکتی ہیں...

گھر کی مستورات ہی ڈال سکتی ہیں اور یہ تخم جب پک جاتا ہے تو پھر اس کو حکومتیں بھی نہیں اکھاڑ سکتی ہیں اور اس کی ہزارہا مثالیں ہیں کہ ماں اور بہنوں سے پڑھا ہوا سبق' ان سے

سیکھا ہوا دین' ان کا بیدار کیا ہوا جذبہ بڑے بڑے مجاہدین کی استقامت اور ان کی ثابت قدمی کا ذریعہ بنا اور اگر آپ ان کی تحقیق کریں اور ذرا ریسرچ سے اور سراغ رسانی سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ اصل جو اس میں ثبات و استقامت اور جذبہ پیدا ہوا ہے وہ ماں کا پیدا کیا ہوا ہے...

اور اس کی کثرت سے مثالیں ہیں کہ بڑے بڑے چوٹی کے علماء اسلام میں ایسے گزرے ہیں' جن پر سب سے زیادہ ان کی ماؤں کا اثر پڑا ہے اور ان کی ماؤں نے ان کو اخیر تک اسلام پر قائم رہنے کی ہمت اور حوصلہ دیا ہے اور اس کے لئے مستقل کتابیں ہیں اور ہماری تاریخ میں مستورات کے طبقہ کی مستقل کتابیں ہیں کہ بعض اوقات انہوں نے اللہ کے راستے میں جان دینے پر آمادہ کیا اور اپنے لخت ہائے جگر کو انہوں نے خطرے میں ڈالا ان کی ہمت بڑھائی بلکہ ان میں غیرت پیدا کی کہ دین کیلئے کیوں کام نہیں کرتے ہو؟

دین کیلئے قربان ہو جانا چاہئے' اور سب کچھ قربان کر دینا چاہئے...

اس کی مثالیں ہماری تاریخ میں ملتی ہیں' بعض بڑے بڑے اکابر اور بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوئے ہیں کہ اول اول ان کے اندر جو جہاد کا جذبہ پیدا ہوا' اسلام کیلئے قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوا اور اسلام پر نثار اور قربان ہو جانے کا جو حوصلہ پیدا ہوا وہ ان کی ماؤں کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ اکثر اہل اللہ کے حالات میں اور مجاہدین کے حالات میں اور فاتحین کے حالات میں ان کی ماؤں کا بنیادی حصہ ملے گا...

اور انہوں نے خود اعتراف کیا کہ سب سے پہلے ہمارے کان میں یہ بات ہماری ماں کے ذریعہ سے پڑی...

انہوں نے ہمارے اندر دینی غیرت پیدا کی اور بعض موقعوں پر تو دینی حمیت پیدا کرنے میں ہماری خواتین کا حصہ زیادہ ہے... (اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو دوبارہ ایسی مائیں عطا فرمائیں)

باب ۱

انبیاء علیہم السلام کا بچپن

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا اور اس کے ساتھ ابلیس (شیطان) کو آگ سے پیدا کیا.. ابلیس بھی اللہ تعالیٰ کی بہت عبادت کیا کرتا ہے لیکن...... لیکن کیا؟

اس عبادت کے ساتھ ساتھ اس میں ایک بہت بڑا عیب بھی تھا وہ کیا بھائی...

وہ یہ کہ اس میں تکبر وغرور تھا جب اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو سجدہ کا حکم فرمایا تو تمام فرشتے سجدہ کرنے لگے لیکن ابلیس نے تکبر وغرور سے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا...

پھر کیا ہوا بھائی...

ہوتا کیا...... ابلیس یوں اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے رحمت سے دور ہو گیا...... پھر شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا.. اے میرے رب مجھے مہلت دے دیجئے...... کیسی مہلت...

یعنی اس چیز کی مہلت کہ میں انسان کو آپ کے راستہ سے گمراہ کرتا رہوں گا...

اللہ تعالیٰ نے مہلت دے دی...

اس شیطان نے آدم وحوا کو یوں پھسلایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے جس پھل کو کھانے سے منع کیا تھا اس مردود نے انہیں پھسلایا آخر کار آدم وحوا نے اس پھل کو کھالیا...

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جنت سے نکال دیا...... لیکن آدم وحوا سے فرمایا...

دنیا میں جاؤ اپنی اولاد کے ساتھ کچھ دن وہاں رہو کسی کی عبادت نہ کرو سوائے میری اگر تم اور تمہاری اولاد نے مجھے راضی کر لیا تو پھر جنت میں ہمارے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آ جاؤ گے...

یوں پھر دنیا میں آدم وحوا کی اولادیں پھیلیں اور نسل در نسل انسانی آبادکاری ہوتی چلی گئی...

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے...

ایک کا نام ہابیل اور دوسرے کا نام قابیل تھا...

حضرت آدم علیہ السلام نے ان دونوں بچوں کی شادی کرنا چاہی۔۔۔۔لیکن ایک عجیب مسئلہ پیدا ہو گیا۔۔۔

وہ کیا بھائی؟

مسئلہ یہ کہ ہابیل کی جس لڑکی سے شادی طے ہوئی قابیل کو بھی وہی لڑکی پسند آ گئی

اب دونوں بھائیوں میں سخت جھگڑا شروع ہو گیا

جب یہ جھگڑا زیادہ بڑھا تو آدم علیہ السلام نے فرمایا۔۔۔۔۔تم دونوں اللہ کی منت مان لو اور اپنی اپنی کمائی کے جانوروں کی قربانی کا گوشت الگ الگ رکھ دو

اللہ تعالیٰ آسمان سے آگ اتارے گا وہ جس کی قربانی کو جلا دے گی بس وہ ہی اس لڑکی سے شادی کرے گا۔۔۔۔۔ چنانچہ یوں ہی کیا گیا۔۔۔

لیکن قابیل کی نیت درست نہ تھی اس نے ایک نہایت دبلے پتلے جانور کی قربانی کر دی۔۔۔

اللہ نے ہابیل کی قربانی کو قبول فرمالیا۔۔۔اور آسمان سے ایک آگ اتری جس نے ہابیل کی قربانی کو جلا دیا۔۔۔

اس طرح لڑکی کی شادی ہابیل سے طے ہو گئی۔۔۔

قابیل کو اپنی بدنیتی کی وجہ سے بڑی مایوسی ہوئی اور بالآخر اس نے ایک دن اپنے بھائی ہابیل کو دھمکی دی۔۔۔۔۔ میں تجھ کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا میں دیکھتا ہوں تو اس لڑکی کے ساتھ کیسے شادی کرتا ہے۔۔۔

اور پھر ایک دن موقع پا کر اس نے ہابیل کو قتل کر ڈالا۔۔۔۔۔ قابیل نے قتل تو کر دیا مگر لاش کو چھپانے کا مسئلہ درپیش ہوا۔۔۔۔۔ کیونکہ اس وقت تک کوئی انسان قتل نہ ہوا تھا۔۔۔

بس بھئی یکا یک اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس نے ایک کوے کو زمین کریدتے ہوئے دیکھا۔۔۔

اب قابیل کو سمجھ آئی اس نے بھی زمین میں ایک گڑھا کھودا اور ہابیل کی لاش اس میں دفن کر دی۔۔۔

اس قتل کے بعد قابیل کو اپنے کیے پر بے حد پچھتاوا رہا۔۔۔۔۔روئے زمین پر جب بھی کوئی ظلم سے قتل ہوتا ہے تو اس کا گناہ حضرت آدم علیہ السلام کے بڑے بیٹے قابیل

کی گردن پر ضرور ہوتا ہے...

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے...

لہٰذا بچو کبھی بھی گناہ نہ کرو... کیونکہ تمہاری وجہ سے دنیا میں گناہ پھیلے گا اور اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہوگی... لہٰذا گناہوں سے بچو اور کہو

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ...

☆☆☆☆

حجاز سعودی عرب کی ایک جگہ کا نام ہے اسی طرح ایک ملک شام ہے...

ان دونوں کے بیچ میں ایک قوم آباد تھی اس کا نام ثمود تھا... یہ قوم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی میں مبتلا ہوگئی اور بہت کفر و گناہ میں پڑ گئی...

اللہ تعالیٰ نے انکی ہدایت کیلئے ایک نبی کو بھیجا...... ان کا نام حضرت صالح علیہ السلام تھا...

انہوں نے اپنی قوم کو بار بار سمجھایا لیکن وہ بت پرستی سے باز نہ آئی... جو لوگ مسلمان ہوئے قوم انہیں بھی ستاتی رہی...

قوم کو یہ گھمنڈ تھا کہ ہمارے پاس مال و دولت اور باغات ہیں لہٰذا ہم سچے راستے پر ہیں...

وہ حضرت صالح علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہتے...... تم لوگ خود کو دیکھو کیسے غریب اور فقیر ہو... ہمارے جسموں کو دیکھو ہم کیسے موٹے تازے ہیں اور لمبے تڑنگے... ہماری طاقت کا یہ حال ہے کہ ہم اپنے مکانات پتھروں اور پہاڑوں میں بنالیتے ہیں... بڑے بڑے درختوں کو اکھاڑ پھینکتے ہیں... لہٰذا بتاؤ تم خدا کے پیارے ہو یا ہم؟

اس طرح وہ صالح علیہ السلام کو جھٹلاتے اور کہتے اگر تم خدا کے پیغمبر ہو تو کوئی نشانی لاؤ...

قوم کی ان باتوں سے تنگ آ کر صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی...... اللہ تعالیٰ نے ایک اونٹنی بھیجی اور فرمایا کہ تمہاری قوم کے لئے نشانی ہے... اس کو اپنی قوم میں آزاد چھوڑ دو اور دیکھو اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا اور نہ ہی اسے ذبح کرنا.. تمہارے اور اس اونٹنی کے درمیان اس کے پانی پینے کے لئے باری مقرر کر دی گئی ہے...

ایک دن تمہارا ہے اور ایک دن اس اونٹنی کا...

قوم نے کچھ دن تو اس اونٹنی کو برداشت کیا پھر شرارت کرتے ہوئے ایک دن اس اونٹنی کو قتل کر ڈالا...... لہٰذا اب تو قوم کو سزا ملنی تھی...

اونٹنی کے قتل کے بعد جب اگلے دن صبح کو لوگ بیدار ہوئے تو ان کی کیا حالت تھی لوگوں کے چہرے خوف کے مارے بالکل پیلے پڑ گئے تھے...

دوسرے دن یہ حالت ہوئی کہ ان کے چہرے بالکل سرخ ہو گئے اور تیسرے دن کیا ہوا...

تیسرے دن جب قوم بیدار ہوئی تو ان کے چہرے بالکل سیاہ ہو گئے تھے ان کی حالت ایسی بری ہوئی کہ جیسے اب موت ہی کا آنا باقی تھی

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ثمود کی قوم کو ہلاک کر دیا...

اللہ کے حکم سے چاروں طرف سے بجلی کی خوفناک کڑک کی طرح چیخ دار آواز ہر طرف پھیل گئی اور جو جہاں اور جس حال میں تھا ہلاک ہو گیا... ساری آبادی تباہ ہو گئی...

اور سنو...... اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو اس خوفناک عذاب سے بچالیا...

☆☆☆☆

آزر بڑھئی تھے جو لکڑی کے بت اور کھلونے بنا کر بیچتے تھے...

ان کے بیٹے کا نام ابراہیم تھا جو اللہ تعالیٰ کے نبی اور پیغمبر تھے... ان کی قوم کے لوگ بتوں کی عبادت کرتے اور سجدہ کیا کرتے تھے...

یہ لوگ اتنے احمق تھے کہ ستاروں، درختوں اور پتوں کی عبادت کرتے ایک دن ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا...

اے ابا جان آپ اپنے ہاتھوں سے اپنا خدا بناتے ہیں جو نہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ کچھ دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان......

ابا جان...... صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے جس کا کوئی شریک نہیں اللہ ہی تمام جہانوں کا مالک ہے...

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے کوئی سختی نہیں کی بلکہ نرمی سے عرض کیا...... آج

سے میں آپ سے جدا ہوتا ہوں بہرحال اللہ تعالیٰ سے آپکی ہدایت کیلئے دعا کرتا رہوں گا...

یوں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی محبت اور ایمان کیلئے والد کی محبت کو قربان کر دیا...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے ساتھ ساتھ پوری قوم کو اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی...

آپ نے قوم کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا...... اپنے لکڑی اور پتھر کے گونگے بہرے بے جان بتوں کو میرے پاس لاؤ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے... میں تو صرف اور صرف اللہ کو اپنا معبود مانتا ہوں وہی کائنات کا خالق و مالک ہے... لہٰذا تم بھی ان بتوں کو توڑ کر پھینک دو یہ پتھر کے بت کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور کچھ نہیں بنا سکتے وہ صرف اللہ ہی ہے جو مجھے بیمار کرتا ہے اور مجھے شفا بھی دیتا ہے... وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے...

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسی تدبیر بجھائی کہ ساری قوم کی عقل ٹھکانے آجائے وہ خود اپنے مشاہدہ سے اللہ کی وحدانیت ماننے والے بن جائیں...

ایک دن تاروں بھری رات تھی ایک ستارہ خوب چمک رہا تھا کفر و شرک میں ڈوبی قوم اس ستارہ کی پوجا کر رہی تھی...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ستارہ کو دیکھا تو کہنے لگے اچھا یہ میرا رب ہے...

کیونکہ یہ دوسرے ستاروں سے زیادہ چمکدار اور بڑا ہے لیکن کچھ دیر بعد وہ روشن ستارہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا...

حضرت ابراہیم علیہ السلام فوراً پکار اٹھے فرمایا...

نہیں... نہیں... جو ایک منٹ بھی اپنی مرضی سے نہ رک سکے اور ہماری دعائیں نہ سن سکے اور منہ چھپا کر بھاگ گئے وہ بھلا ہمارا خدا کیسے ہو سکتا ہے...

کچھ دیر بعد ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور دیکھا کہ چاند اپنی پوری آب و تاب سے اپنی روشنی پھینک رہا ہے تو فرمایا یہ چاند اس ستارہ سے کافی بڑا ہے اور اس قابل ہے کہ اس کو اپنا رب مان لیا جائے...

لیکن کیا ہوا؟..... جونہی رات ڈھلنے لگی چاند کی روشنی بھی مدھم ہونے لگی اور اس نے

بھی اپنا منہ موڑلیا...... اب صبح کے آثار دکھائی دینے لگے تو سورج نے اپنا سر نکالا...

سورج کو دیکھتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر پکار کر فرمایا...

یہ ہے سب سے بڑا یہ ہمارا رب ہو سکتا ہے مگر جب مغرب میں سورج بھی ڈوب گیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اعلان فرمایا...... اے قوم میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں میں نے اپنا رخ صرف اسی ایک خدا کی طرف موڑ لیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے... میرا خدا صرف ایک ہے میں مشرک نہیں ہوں...

آج کل کی طرح اس زمانہ میں بھی ایک میلہ لگتا تھا جس میں تمام قوم شریک ہوتی...

جب میلہ کا موقع آیا تو قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلنے کو کہا...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا...... میں نہیں جاتا... میں کچھ بیمار سا ہو رہا ہوں

اس پر کافر قوم نے کہا...... یہ تو کسی منحوس ستارے کے اثر میں آ گئے ہیں لہٰذا ان کو وہیں چھوڑ دیا پوری قوم میلہ میں چلی گئی تو ابراہیم علیہ السلام ان کافروں کے مندر میں چلے گئے جہاں بے شمار چھوٹے بڑے بت رکھے تھے اور ان کے سامنے قسم قسم کے پھل اور مٹھائیاں پڑی تھیں...

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طبیعت میں خیال آیا اور ان بے جان مورتیوں سے پوچھنے لگے...... تم ان چیزوں کو کھاتے کیوں نہیں ہو.... جواب کیوں نہیں دیتے...

پھر ابراہیم علیہ السلام نے ایک بھاری ہتھوڑا اٹھایا اور ایک ایک کر کے تمام بت توڑ ڈالے اور ہتھوڑے کو بڑے بت کے کندھے پر رکھ کر واپس آ گئے...

قوم میلہ سے واپس آئی اور اپنے مندر کی حالت دیکھ کر غصے سے لال پیلے ہو گئے اور کہنے لگے...

ہو نہ ہو یہ حرکت اسی شخص کی ہے جسکا نام ابراہیم ہے وہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے...

تمام سردار ایک جگہ جمع ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا لیا... اور ان سے پوچھا ہمارے دیوتاؤں اور بتوں کے ساتھ تم نے یہ کیا حرکت کی؟ ان سب کو کیوں توڑ ڈالا...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا...

تم لوگ ذرا اپنے اس بڑے بت سے پوچھو جس کے کندھے پر ہتھوڑا ہے یہ حرکت اسی کی ہے...

اس بات کو سن کر پوری قوم پکار اٹھی...

کیا کہتے ہو کہیں بت بھی بولتے اور بات کرتے ہیں...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا...... اب تو تم کو یقین آ گیا کہ یہ تمہارے سردار اور پنڈت نے تم سب کو کس گمراہی اور مکروفریب میں پھنسا رکھا ہے.. اب تم اللہ کو اپنا معبود مان لو اور کسی بت کی پوجا نہ کرو... یہ بے جان لکڑی اور پتھر کے دیوتا تمہیں کہاں نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں...

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعوت پر بھی قوم کفروشرک پر جمی رہی اور ایک دوسرے کو کہنے لگے...... اگر دیوتاؤں کی خوشنودی و مہربانی چاہتے ہو تو ابراہیم کو اس کے جرم کی سخت سزا دو اور اسے دہکتی ہوئی آگ میں جلا ڈالو...

قوم کے بڑے بڑے پنڈت اور سردار اس بات کو اپنے بادشاہ نمرود کے پاس لے گئے

قوم نے نمرود بادشاہ کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا.. نمرود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور بتوں کی توڑ پھوڑ کا علم ہوا تو مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گیا نمرود نے سوچا اگر ابراہیم کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا تو یہ ہماری سلطنت اور ہمارے باپ دادا کے مذہب کو ختم کر دے گا پھر لوگ مجھے خدا نہ مانیں گے لہٰذا نمرود نے حکم دیا...

ابراہیم کو ہمارے دربار میں فوراً حاضر کیا جائے...

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی کی شان ووقار کے ساتھ نمرود کے دربار میں حاضر ہوئے...

نمرود نے پوچھا...... تم ہمارے باپ دادا کے دین کی مخالفت کس لئے کرتے ہو اور مجھے اپنا رب ماننے سے کیوں انکار کرتے ہو...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا...... میں صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں مانتا... ساری کائنات اس کی مخلوق ہے وہی سب کا خالق و مالک ہے تم بھی ایک انسان ہو جس طرح ہم سب انسان ہیں لہٰذا تم ہی بتاؤ تم کس طرح سے ایک انسان کے رب اور خدا ہو سکتے ہو...

اے نمرود ذرا سوچو یہ گونگے بہرے لکڑی اور پتھر کے بت کیسے خدا ہو سکتے ہیں...

مزید فرمایا...... میں صحیح راستہ پر ہوں اور تم سب غلط راستے پر ہو اس لئے میں اپنی

دعوت وتبلیغ کیسے چھوڑ سکتا ہوں اور تمہارے باپ دادا کے من گھڑت اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں اور ان کے مذہب کو کس طرح اختیار کر سکتا ہوں...

نمرود نے یہ بات سن کر پوچھا...... تمہارے رب میں کون سی خوبی ہے جو مجھ میں نہیں میں ہوں رب...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا...... میرا رب وہ ہے جو موت دیتا ہے اور وہی زندگی دیتا ہے...

نمرود نے بلا سوچے سمجھے جلاد کو حکم دیا...... ایک بے قصور آدمی کو پکڑ کر اس کی گردن اڑا دی جائے... جب اس پر عمل درآمد ہو گیا تو کہا...

تم نے دیکھا میں بھی اسی طرح موت دیتا ہوں... پھر اس نے جیل سے ایک قیدی کو بلایا جس کو سزائے موت دی جانے والی تھی پھر اس کو آزاد کر کے کہنے لگا...

دیکھا میں رب ہوں میں زندگی بھی بخشتا ہوں اب تمہارے رب کی کیا خصوصیت رہی...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا...... نمرود میرا رب وہ ہے جو روزانہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے اور مغرب کی طرف لے جاتا ہے یہ جو تم خدائی کا دعویٰ کرتے ہو ذرا سورج کو مغرب سے نکال کر مشرق میں چھپا کر دکھاؤ...

نمرود یہ سن کر دم بخود اور لاجواب ہو کر رہ گیا اس کے ہوش اڑ گئے اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے...

بالآخر اس نے حکم دیا کہ ابراہیم کو آگ میں زندہ جلا دیا جائے اس نے ہماری اور ہمارے معبودوں کی توہین کی ہے... اس کی یہی سزا ہے...

چنانچہ ایک خاص جگہ میں مسلسل کئی دن تک آگ جلائی گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو اس جگہ لا کھڑا کیا... دور دور تک آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے...... جنگل کے درندے چرندے اور پرندے بھی دور جا کر دبک گئے کہ کسی کی ہمت نہ تھی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکے... چنانچہ نمرود نے ایک توپ جیسی غلیل بنوائی اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں بٹھا کر دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا...

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ کے اندر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی والی ہو جا...

پیارے بچو! آپ نے اللہ کی قدرت کا کرشمہ دیکھ لیا...

اللہ نے آگ کو حکم دیا خبردار جو میرے پیارے نبی کو جلایا...آگ فوراً ٹھنڈی ہو گئی...

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ نمرود دوبارہ تاج پہن کر اپنے تخت پر بیٹھا تو اپنے رب ہونے اور بادشاہ ہونے کا رعب جمانے لگا...

ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام بخیر و عافیت آگ سے باہر نکل آئے اب قوم کے سامنے نمرود کی رسوائی و شرمندگی ہونے لگی...

عین اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر کو نمرود کے قریب پہنچا دیا...وہ مچھر نمرود کی ناک میں گھس گیا...

اب تو سارے وزیر، مشیر، رعایا، ڈاکٹر حکیم اور جادوگر سب نے مل کر کانفرنس کی...

کسی نے کچھ رائے دی...کسی نے کچھ کہا......ایک ماہر دانشور نے کہا......ایک نہایت عمدہ قسم کے موٹے چمڑے کا نیا نیا خوب مضبوط جوتا پانی میں خوب بھیگا ہوا لیں اور بادشاہ نمرود کے سر پر زور زور سے لگائے جائیں...اس طرح شاید ناک کی رطوبت سے مچھر صاحب باہر آ جائیں...

چنانچہ اسی بات پر تمام اراکین سلطنت کا فیصلہ ہوا ایک آدمی مقرر کیا گیا جو بھیگا ہوا جوتا اٹھاتا اور تڑاخ تڑاخ نمرود کی پیشانی پر سر کے بھیجے اور گردن پر رسید کرتا...

وہ مچھر ذرا بھی حرکت کرتا تو نمرود کا سر درد کے مارے پھٹنے لگتا...اور بعض اوقات اس کی چیخ بھی نکل جاتی...

کبھی کبھی ان جوتوں کی وجہ سے نمرود کو چھینک بھی آ جاتی اور یوں مچھر کے نکلنے کی امید بندھ جاتی...واقعی اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے اور اسکو رب نہ ماننے والوں کی سزا یہی ہونی چاہئے...

پیارے بچو! ذرا سوچئے بھرے دربار میں نمرود کو جوتے مارے جاتے ہوں گے تو اس کی ذلت و رسوائی کا کیا حال ہوتا ہوگا...

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا...... اے اللہ جب تمام لوگ مرجائیں گے تو آپ کس طرح مردوں کو دوبارہ زندہ کریں گے...

اللہ تعالیٰ نے فرمایا...... اے ابراہیم کیا تم اس بات پر ایمان اور یقین نہیں رکھتے...

ابراہیم علیہ السلام نے فوراً فرمایا...... بے شک میں ایمان رکھتا ہوں لیکن میری درخواست ہے کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لوں کہ ایک مردہ کس طرح دوبارہ زندہ ہوجائے گا...

اللہ تعالیٰ نے فرمایا...... اچھا اگر تم اپنے مشاہدہ کے لئے مردہ کو زندہ ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہو تو چند پرندوں کو پکڑ کر لاؤ... پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے سامنے والے پہاڑ پر ڈال آؤ... پھر انہیں دوبارہ پکارو...

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا جب انہیں پکارا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان پرندوں کے ہاتھ پیر اور بدن کے تمام ٹکڑے جمع ہوکر اپنی اصل شکل میں آ گئے اور زندہ ہونے کے بعد اڑتے ہوئے واپس ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے آئے...

پیارے بچو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سخت امتحانوں اور آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا تاکہ ہم لوگ ان سے سبق سیکھیں اور ان کی پیروی میں اپنے دین اسلام پر ثابت قدم رہیں...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو دعوت دی تو وہ مخالف ہوگئی اور آپ کو دہکتی آگ میں ڈال دیا گیا یہ آپ کی پہلی آزمائش و امتحان تھا...

ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں مسلسل تین دن تک حکم ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی رضا کے لئے ذبح کرو...

پیارے بچو! نبی کا خواب بھی سچا ہوتا ہے اور نبی اپنے خواب کے مطابق عمل کرتا ہے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر اسماعیل کو ذبح کرنے کے لئے جنگل کی طرف لے چلے...

راستہ میں شیطان نے ورغلانے کی کوشش کی تو ابراہیم علیہ السلام نے اس شیطان کو سات کنکریاں ماری کنکریاں لگنے سے شیطان مردود وہیں زمین میں دھنس گیا پھر زمین نے اس کو چھوڑ دیا لیکن اپنی حرکت سے باز نہ آیا اور پھر دور چل کر پھر انہیں ورغلانے لگا...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر سات کنکریاں ماری تو بد بخت شیطان وہیں ٹھنڈا پڑ

گیا... چلتے چلتے باپ بیٹا دونوں جنگل میں پہنچ گئے...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاتھ میں چھری لے کر اپنے جگر گوشہ کو ذبح کرنے کے لئے اپنی آنکھ پر پٹی باندھ لی...

ادھر اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا...

ابا جان آپ میرے بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے... ایسا نہ ہو کہ شیطان پھر کوئی حرکت کر بیٹھے...

بچو اس روح پرور اور ایمان افروز منظر کا تصور کرو اور اللہ کی اطاعت کا کیا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے...

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں چھری ہے جو انہوں نے اسماعیل علیہ السلام کے حلق کو دبا کر چلا دی اور زبان سے یہ دعا فرما رہے ہیں

اے اللہ ہماری اس قربانی کو قبول فرمالیجئے...

یہ کہتے ہوئے اطمینان سے اپنی آنکھوں سے پٹی کھولی تو کیا دیکھتے ہیں اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک مینڈھا ذبح کیا ہوا پڑا ہے اور قریب ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام بخیر و عافیت لیٹے ہیں...

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی جگہ وحی کی شکل میں آواز آئی...... اے ابراہیم علیہ السلام تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا...

پیارے بچو! یہ حضرت ابراہیم کی دوسری آزمائش تھی جو پہلی آزمائش سے زیادہ کٹھن تھی... لیکن اللہ کے محبوب پیغمبر اس آزمائش میں بھی سرخرو ہوئے اسی طرح دیگر آزمائشوں میں بھی پورے اترتے رہے...

☆☆☆☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں...... حضرت ہاجرہ اور حضرت سارہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر نوے سال سے زیادہ ہو چکی تھی لیکن دونوں بیویوں سے کوئی اولاد نہ تھی... ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ حضرت ہاجرہ کے پاس بھیجا جس نے انہیں ایک لڑکے کی پیدائش کی خوشخبری دی...

حضرت ہاجرہ نے سنا تو فرمایا...... میں تو بوڑھی ہو گئی ہوں اور میں بانجھ بھی

ہوں (بانجھ اس عورت کو کہتے ہیں جس میں بچہ جننے کی صلاحیت نہ ہو) میری اولاد کیسے پیدا ہوگی؟

فرشتے نے کہا...... اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے...

لہٰذا جب حضرت ہاجرہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو والدین نے اس کا نام اسماعیل رکھا...

دوبارہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ...... حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو بہت دور جا کر ویران ریگستان میں چھوڑ آئیں مقصد یہ تھا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ظاہری اسباب کے بغیر پرورش کر کے دکھاتے ہیں...

بچے اور اس کی والدہ کو صحرا میں چھوڑ کر واپس ہونے لگے تو حضرت ہاجرہ نے پوچھا اے اسماعیل کے ابو! آپ ہم دونوں کو اس بے سروسامانی کے عالم میں کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا......

ہاجرہ میں تمہیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہا ہوں...

یہ بات سنتے ہی حضرت ھاجرہ واپس پلٹیں اور فرمایا...... پھر تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا...

حضرت ھاجرہ اپنے ہمراہ جو کھجوریں اور پانی لائی تھیں وہ چند دن میں ختم ہو گیا پھر تو بیٹے اور والدہ کا بھوک و پیاس سے برا حال ہونے لگا...

معصوم اور چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ بلک رہا ہے اور تڑپ رہا ہے...... بالآخر پانی کی تلاش میں حضرت ھاجرہ نکلیں اور صفا و مروہ پہاڑی کی طرف دوڑتی پھرتی تھیں کہ کہیں سے کوئی قافلہ دکھائی دے اور ہم دونوں کی پیاس بجھے...

ادھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو بھیج دیا اس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کی جگہ میں جہاں ان کی ایڑیاں چل رہی تھیں اپنا پر مارا جس سے وہاں ایک چشمہ جاری ہو گیا...

یہ وہی چشمہ ہے جسے آج ہم سب زم زم کہتے ہیں... آگے سنئے......

حضرت ھاجرہ پانی کی تلاش سے واپس ہوئی تو کیا دیکھتی ہیں کہ جوش مارتا ہوا ایک

چشمہ ہے جو اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کے نیچے سے بہہ رہا ہے حضرت ھاجرہ نے جلدی جلدی اس کے چاروں طرف منڈیر بنانی شروع کر دی تاکہ پانی زیادہ دور تک نہ پھیلے۔

حضرت ھاجرہ پانی کے گرد منڈیر بھی بناتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں ...زم زم زم زم یعنی رک جا رک جا...

اللہ کی قدرت دیکھئے کہ چشمہ تو خود رک گیا لیکن اس کا بابرکت پانی تمام دنیا میں پہنچتا ہے...

فرشتہ نے حضرت ھاجرہ سے کہا...... آپ ذرا بھی خوف اور غم نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے بچے کو ضائع نہ کرے گا...جس مقام پر یہ چشمہ جاری ہوا' اس شہر کا نام مکہ مکرمہ ہے اسی جگہ کعبہ ہے جسے بیت اللہ بھی کہتے ہیں...

پانی کے چشمہ کو دیکھ کر آس پاس کے پرند چرند کے غول اڑنے لگے جنہیں اڑتے دیکھ کر گزرنے والے قافلے سمجھ گئے کہ یہاں پانی ہے...

لہٰذا ایک قافلہ جو قبیلہ جرہم کا تھا انہوں نے یہاں آ کر بسیرا کیا اور حضرت ھاجرہ کی اجازت سے مستقل ٹھہرنے لگا...

اجازت ملنے پر یہ تمام لوگ مکہ مکرمہ میں آباد ہو گئے تو اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی ان میں گھل مل گئے...

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو انتہائی خوبصورت بہادر اور نبیوں والی صفات کے حامل تھے...

لوگوں نے آپ کو اتنا پسند کیا کہ اپنے خاندان کی سب سے اچھی لڑکی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کر دی...اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت ھاجرہ کا انتقال ہو گیا...

اس دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام وقتاً فوقتاً اپنے بچوں کو دیکھنے تشریف لاتے رہے ایک مرتبہ جب تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے اہلیہ سے پوچھا کہ اسماعیل کہاں گئے ہیں...

بیوی نے بتایا...... کھانے پینے اور روزی کی تلاش میں باہر تشریف لے گئے ہیں...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا...... گھر کے خرچہ اور گزر بسر کا کیا حال ہے...

وہ کہنے لگیں...... سخت مصیبت ہے اور پریشانی و تکلیف میں گزر بسر ہو رہی ہے...

نبی کی بیوی سے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے یہ الفاظ کا سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب اسماعیل واپس آئیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر دیں... یہ پیغام دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس آ گئے...

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر آئے تو گھر میں نبی کے نور کی روشنی کے انوار و برکات دیکھ کر فرمایا... کوئی شخص یہاں آیا تھا؟

بیوی نے جواب میں سارا واقعہ اور ان کا پیغام بھی نقل کر دیا...

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا...... جانتی ہو وہ کون تھے وہ میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے ان کا مشورہ ہے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں...

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پھر دوسرا نکاح کر لیا... کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے خدا کا کرنا ایسا ہو کہ اس مرتبہ بھی اسماعیل علیہ السلام گھر میں موجود نہ تھے...

ابراہیم علیہ السلام نے ان کی اہلیہ سے وہی سوالات کیے اہلیہ نے جواب میں کہا خدا کا شکر و احسان ہے اچھی طرح گزر بسر ہو رہی ہے...

پھر پوچھا...... کھانے کو کیا ملتا ہے

جواب ملا... گوشت پھر پوچھا اور پینے کو جواب ملا پانی

یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ انکے گوشت اور پانی میں برکت فرمانا

پھر واپس چلتے وقت فرمایا......

اسماعیل سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ کو محفوظ رکھنا...

جب اسماعیل علیہ السلام واپس لوٹے تو بیوی نے تمام واقعہ انہیں سنایا اور ان کا پیغام بھی سنایا...

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا...... تم کیا سمجھیں وہ میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کا یہ پیغام ہے کہ تم عمر بھر میری رفیقہ حیات رہو...

بچو دیکھا آپ نے شکر گزاری کا کرشمہ...

☆☆☆☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال سے زیادہ ہو چکی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی اہلیہ حضرت سارہ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا.. فرشتہ نے حضرت سارہ کو لڑکے کی خوشخبری سنائی...

حضرت سارہ کو تعجب و حیرانی ہوئی اور وہ کہنے لگیں

میں تو بالکل بانجھ اور بوڑھی ہوں ہمارے ہاں بھلا اولاد کیسے ہوگی؟

اسی طرح وہ خدائی فرشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس یہ خوشخبری لے کر گیا... انہوں نے بھی فرمایا..... میں بوڑھا ہوں ہماری اتنی زیادہ عمر میں اولاد کیسے ہوگی؟

فرشتے نے کہا..... اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے لہٰذا تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اس کا نام اسحٰق رکھنا...

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حضرت سارہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا اور یوں ان کی مراد پوری ہوئی...

حضرت اسحٰق علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی طرح نبی بنایا جب اسحٰق علیہ السلام آٹھ دن کے ہوئے تو ان کا ختنہ بھی کرا دیا گیا... اور جب جوانی میں قدم رکھا تو حضرت سارہ کے بھائی کی لڑکی سے شادی کر دی گئی...

حضرت اسحٰق علیہ السلام کا مکمل قصہ قرآن کریم کی سورہ انبیاء، مریم، ہود اور سورہ الصّٰفّٰت میں موجود ہے...

☆☆☆☆
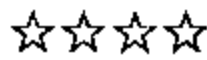
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام تھے... جو آپ کے زیر تربیت رہتے اور سفر و حضر میں ساتھ رہتے تھے...

ایک مرتبہ سفر سے واپسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں آباد ہو گئے اور حضرت لوط علیہ السلام اردن کے مشرقی علاقے میں جا کر بس گئے... اس علاقہ کے لوگ ہر قسم کی برائیوں اور گناہوں میں مبتلا تھے...

یہ لوگ اپنی برائیوں پر شرمندہ ہونے کی بجائے ان حرکتوں پر فخر کرتے کہ دیکھو ہم نے فلاں شخص کو قتل کر ڈالا... فلاں جگہ مال لوٹ لیا، میں نے فلاں جھوٹ بولا، کوئی میری طرح

چوری کر کے دکھائے تو میں اسے جانوں...اس طرح اپنی بری حرکتوں پر غرور کرتے...

بچو ان لوگوں میں سب سے بری عادت یہ تھی کہ وہ لڑکیوں اور عورتوں سے بات بھی نہ کرتے تھے صرف لڑکوں اور مردوں سے برائی کی دوستی تھی توبہ توبہ...

جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو کتے اور سور کی سی زندگی گزارتے دیکھا تو حضرت لوط علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا...

حضرت لوط علیہ السلام نے رات دن تبلیغ کی اور ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دی دین برحق کی یہ آواز سن کر قوم ان کی مخالف ہوگئی اور وہ کہنے لگے...

یہ شخص بڑا پاکباز بنا پھرتا ہے اس کو اپنی آبادی سے باہر نکال دو...

حضرت لوط علیہ السلام قوم کو برابر محبت اور نرمی سے سمجھاتے رہے اور انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہے...

مگر قوم اپنی حالت سدھارنے کو تیار نہ ہوئی ایک دن قوم نے جھنجلا کر کہا...

اگر ہمارے اعمال سے تمہارا خدا ناراض ہے تو تم ہمیں وہ عذاب لا کر دکھاؤ...

پیارے بچو! قوم کی اس بغاوت، سرکشی پر خدا کا عذاب حرکت میں آ گیا اللہ نے اپنے تین فرشتوں کو نہایت حسین وجمیل لڑکوں کی شکل میں جنگل میں بھیج دیا حسن اتفاق سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی جنگل میں موجود تھے...

جو مہمان نوازی میں بڑے مشہور تھے حتیٰ کہ کسی نہ کسی مہمان کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھاتے تھے...

جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تین نوجوانوں کو بھی کھانے کی دعوت دی اور ایک بچھڑا ذبح کر کے گرم گرم بھنے ہوئے گوشت کو دسترخوان پر رکھا مگر مہمانوں نے کھانے سے انکار کر دیا...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا کہ یہ دشمن لوگ ہیں اس لئے کھانے سے انکار کر رہے ہیں...

تینوں مہمانوں نے ہنس کر کہا......آپ گھبرائیں نہیں اور ہرگز پریشان نہ ہوں ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں اور قوم لوط کو تباہ و برباد کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا......اس بستی میں تو ہمارے بھائی کے بیٹے اور

برگزیدہ نبی لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں...

فرشتوں نے جواب دیا...... اللہ نے فیصلہ فرما دیا ہے ان کو اور ان کے خاندان کو محفوظ رکھا جائے گا سوائے لوط علیہ السلام کی بیوی کے کہ وہ بھی قوم کے ساتھ تباہ کر دی جائے گی کیونکہ وہ بھی نافرمان لوگوں اور سرکشوں میں شامل ہے...

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رخصت ہو کر یہ فرشتے اس آبادی میں پہنچے جس کو تباہ کرنا تھا...

بچو! اس آبادی کا نام سدوم تھا... جب یہ فرشتے اس آبادی میں پہنچے تو لوط علیہ السلام نے قوم کی برائی کے خوف سے انہیں چھپا کر رکھا...

لیکن قوم کو کسی نہ کسی طرح معلوم ہو گیا اور وہ لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ ان لڑکوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے...

حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں دعوت و تبلیغ کے ذریعے سمجھایا کہ یہ مہمان ہیں لیکن قوم کے سر پر بدبختی سوار تھی...

جب فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو پریشان دیکھا تو کہنے لگے...... ہماری ظاہری صورت دیکھ کر گھبرایئے نہیں ہم عذاب کے فرشتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے...

رات شروع ہوئی تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے خاندان والوں کو بستی سے باہر ایک محفوظ جگہ پر پہنچا دیا... لیکن آپ کی بیوی اسی بستی میں رہی کیونکہ وہ بھی نافرمان اور گمراہوں میں سے تھی...

جب آدھی رات گزر چکی تو پہلے زبردست ہیبت ناک چیخ تمام آبادی میں گونجی جس سے پوری بستی الٹ پلٹ ہو گئی... پھر تمام آبادی والی زمین کا ٹکڑا الٹ دیا گیا...

اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اوپر سے پتھروں کی ایسی تیز بارش ہوئی کہ لوگوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا... سب کچھ مٹا دیا گیا اور تباہ و برباد کر دیا گیا...

بچو! اس طرح ایک نافرمان قوم اللہ کے عذاب کا لقمہ بن گئی...

☆☆☆☆

باب ۲

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن

خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی... مکہ کے لوگ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے... ان میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہ کام کر رہے تھے اور آپ اس وقت ابھی بچے تھے... حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو بھاری مشقت کی حالت میں دیکھا تو انہیں آپ پر بہت ترس آیا... چنانچہ آپ سے کہا...

اے بھتیجے: آپ اپنا تہبند اتار کر اسے تہہ کر کے کندھے پر رکھ لیں... اس طرح جب آپ پتھر کندھے پر رکھیں گے تو آپ کو تکلیف نہیں ہوگی... آپ نے اپنے چچا کا مشورہ سن کر تہبند کھولا اور اسے کندھے پر رکھ لیا... لیکن ایسا کرتے ہی آپ گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے... آپ زمین پر گرے تو آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں... اٹھتے ہی آپ نے فرمایا:...

میری چادر... پھر آپ نے فوراً تہبند باندھ لیا... اس وقت دراصل دوسرے قریشی بچے بھی یہ کام کر رہے تھے اور انہوں نے اپنے تہبند کھول کر اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے... آپ فرماتے ہیں...

جب میں نے تہبند کھولا تو گر پڑا... ایسی حالت میں ایک فرشتے نے مجھے آہستہ سے بٹھایا اور کہا کہ اپنا تہبند باندھ لو... میں نے تہبند باندھ لیا اور پھر سے پتھر اٹھانے لگا اور میرے ساتھیوں میں صرف میں نے تہبند باندھ رکھا تھا...

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس عمر کی بات ہے جس عمر میں بچے عام طور پر بغیر تہبند کے پھر لیتے تھے اور یہ بات عیب نہیں سمجھی جاتی تھی... لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بچپن میں بھی اس بات کو پسند نہیں فرمایا... (عبدالرزاق' البدایہ حجۃ اللہ علی العالمین)

☆☆☆☆

بوانہ ایک بت کا نام تھا...قریش کے لوگ اس بت کی پوجا کرتے تھے...ہر سال اس کے پاس جمع ہوتے...عید مناتے' اس کی تعظیم کرتے اور اس کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے...صبح سے شام تک پتھر کے اس بت کے آگے جھکے رہتے...

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب بھی اپنی قوم کے ساتھ وہاں جایا کرتے تھے...آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بڑے ہوئے تو انہوں نے آپ سے بھی چلنے کیلئے کہا...آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں جانے سے انکار کر دیا...اس کے بعد پھر یہ ہوا کہ جب بھی ابو طالب جانے لگتے' وہ آپ سے کہتے: بھتیجے ہم بوانہ کی پوجا کیلئے جا رہے ہیں تم بھی چلو...

آپ ہر مرتبہ جانے سے انکار کرتے رہے... یہاں تک کہ ایک روز ابو طالب کو غصہ آ گیا...وہ جھلا کر بولے...

آخر تم ہمارے ساتھ کیوں نہیں چلتے...

آپ کی پھوپھیاں بھی ناراض ہوئیں اور غصے میں آ کر بولیں...آج تو ہم تمہیں لے کر ہی جائیں گی...تم کیوں ہمارے معبودوں سے دور رہتے ہو...چل کر ہمارے ساتھ عید کیوں نہیں مناتے...ہمیں ڈر لگتا ہے کہیں یہ معبود تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں...وہ بار بار آپ سے چلنے کیلئے کہتی رہیں...ابو طالب بھی کہتے رہے آخر مجبور ہو کر آپ ان کے ساتھ چل پڑے... جونہی آپ بتوں کے نزدیک پہنچے آپ خوف زدہ ہو گئے اور فوراً واپس پلٹ آئے...اپنی عید سے فارغ ہونے کے بعد جب سب لوگ واپس لوٹے تو انہوں نے آپ سے پوچھا...

آخر کیا بات ہوئی' آپ واپس کیوں لوٹ آئے ہو...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا...جب میں بوانہ کے پاس رکھے دوسرے بتوں میں سے ایک کے نزدیک پہنچا تو مجھے پیچھے سے سفید رنگ کے ایک لمبے آدمی کی شکل دکھائی دی...اس نے بلند آواز میں کہا...

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بت کو ہاتھ نہ لگانا...وہاں سے ہٹ کر میں دوسرے بت کی طرف بڑھا تو پھر اس کی صورت دکھائی دی اور اس نے پھر کہا...

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ہاتھ نہ لگانا...

میں اس سے خوف زدہ ہو گیا اور فوراً وہاں سے لوٹ آیا... یہ واقعہ ام ایمن نے بیان کیا...(ابن سعد)

☆☆☆☆

مکے میں ایک شخص زید بن عمرو بن نفیل تھا... مکے کے مشرک جب کسی بت پر کوئی جانور ذبح کرتے تو وہ ان سے کہا کرتا تھا... اس جانور کو تو اللہ نے پیدا کیا ہے... اسی نے اس کیلئے آسمان سے پانی اتارا اسی نے اس کیلئے زمین سے سبزہ اگایا... پھر تم اسے غیر اللہ کے نام پر کیوں ذبح کرتے ہو...

اس وقت ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچے تھے... آپ بھی زید بن عمرو بن نفیل کی یہ باتیں سنا کرتے تھے... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں... میں نے بھی بچپن میں بتوں کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کا گوشت چکھا تک نہیں... یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت عطا فرمائی...(ابو نعیم ۱۹۵)

☆☆☆☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا... اے اللہ کے رسول، کیا آپ نے کبھی کسی بت کی عبادت کی... آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا...

نہیں... پھر لوگوں نے پوچھا... کیا آپ نے کبھی شراب پی... آپ نے فرمایا...

نہیں... میں شروع سے یہ جانتا تھا کہ یہ لوگ جس مذہب پر ہیں وہ کفر ہے البتہ اس وقت مجھے ایمان اور کتاب کی دعوت دینے کا طریقہ معلوم نہیں تھا...

اس کے علاوہ اس قسم کے سوالات کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا... میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے... اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ میں بتوں اور اشعار کی نفرت ڈالی گئی ہے...(ابو نعیم ۱۹۵)

☆☆☆☆

ایک بت کا نام رساف تھا... مکے کے مشرک جب خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے تو اس بت کو چھوتے تھے... ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ طواف کیا اور مشرکوں کے طریقے کے مطابق رساف کو ہاتھ لگانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آواز دی... اسے ہاتھ نہ لگانا...

حضرت زید فرماتے ہیں میں نے پھر طواف کیا اور دل میں کہا میں تو رساف کو ہاتھ لگاؤں گا... چنانچہ طواف کے بعد میں اسے چھونے لگا تو آپ نے پھر فرمایا کیا تجھے روکا نہیں گیا...

حضرت زید کہتے ہیں...

میں رک گیا اور اللہ کی قسم اس کے بعد میں نے کسی بت کو کبھی بھی ہاتھ نہیں لگایا...

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت عطا فرمادی مکہ کے لوگ رات کے وقت ایک دوسرے کو کہانیاں سناتے تھے سنانے والے کے گرد لوگ جمع ہو جاتے... سننے والوں میں ہر عمر کے لوگ ہوتے تھے ایک روز ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھی لڑکے سے کہا...

تم ذرا میری بکریوں کا خیال رکھنا... آج رات میں مکے میں جا کر کہانیاں سنوں گا...

آپ اس زمانے میں مکے کے نواح میں بکریاں چرایا کرتے تھے... یہ لڑکا بھی آپ کے ساتھ اپنی بکریاں چراتا تھا... اس نے جواب میں کہا...

ٹھیک ہے...... فکر نہ کرو...

آپ اس ارادے سے چل پڑے... جب آپ مکے کے گھروں میں سے ایک گھر کے قریب پہنچے تو اس میں سے گانے بجانے کی آواز آرہی تھی... آپ نے پاس موجود ایک شخص سے پوچھا...

یہ یہاں کیا ہو رہا ہے... اس نے بتایا...

ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ شادی کی ہے... اسی خوشی میں گانا بجانا ہو رہا ہے... آپ نے جونہی گانے کی طرف توجہ دی... آپ کو سخت نیند آگئی اور آپ سو گئے... صبح سورج نکلنے پر آپ بیدار ہوئے اور اٹھ کر اپنے ساتھی لڑکے کے پاس چلے گئے... اس نے جب رات کی تفصیل پوچھی تو آپ نے اسے بتادیا کہ کیا ہوا تھا... اسی طرح ایک اور دن آپ نے اس سے فرمایا...

تم آج رات میری بکریوں کا خیال رکھنا میں مکے میں جا کر کہانیاں سنوں گا اس نے کہا ٹھیک ہے...

آپ مکے کی طرف روانہ ہوئے... پہلی رات کی طرح آپ کو پھر ایک گھر سے گانے بجانے کی آوازیں آئیں... لیکن جونہی آپ نے اس طرف کان لگانے چاہے... اللہ تعالیٰ نے آپ پر نیند طاری کردی اور صبح سورج نکلنے پر آپ کی آنکھ کھلی آپ فرماتے ہیں...

اللہ کی قسم! پھر مجھے دھوپ ہی نے اٹھایا...

آپ اپنے ساتھی کے پاس لوٹ آئے اس نے پھر رات کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ساری بات بتادی...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دو واقعات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں...

اللہ کی قسم! اس کے بعد نہ میں نے کبھی ایسا ارادہ کیا' نہ میں اس طرح کے کسی کام کے لئے دوبارہ گیا... یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت کا اعزاز بخشا... (البدایہ)

☆☆☆☆

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا اونٹ گم ہو گیا... انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اونٹ کی تلاش میں بھیجا... آپ کو واپس آنے میں کچھ دیر ہوگئی... عبدالمطلب پریشانی کے عالم میں بیت اللہ کا طواف کرنے لگے اور یوں کہنے لگے...

اے رب میرے سوار محمد کو میری طرف لوٹا دیجئے... مجھ پر احسان کیجئے... اب انہیں لوٹا دیجئے... ایک شخص نے ان کے بارے میں کسی سے پوچھا...

یہ کون صاحب ہیں اور یہ کیا کر رہے ہیں... اس نے بتایا...

یہ عبدالمطلب ہیں انہوں نے اپنے پوتے محمد کو اپنے اونٹ کی تلاش میں بھیجا تھا اور آج تک انہوں نے اپنے پوتے کو جب بھی جس کام کیلئے بھی بھیجا ہے ان کا پوتا کامیاب ہی لوٹا ہے... آج انہیں آنے میں ذرا دیر ہوگئی تو یہ ان الفاظ میں دعا مانگ رہے ہیں...

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ کو ساتھ لئے واپس آتے نظر آگئے... (الحاکم)

☆☆☆☆

ایک مرتبہ کے میں بارش نہیں ہو رہی تھی... بارش نہ ہونے کی وجہ سے لوگ بہت پریشان تھے... کوئی کہتا...

لات و عزیٰ کے پاس چلو...

کوئی کہتا... مناۃ کے پاس چلو...

اس پر ایک خوب صورت اور سمجھ دار قسم کے آدمی نے کہا... تم کہاں بھٹک رہے ہو... حالانکہ تم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نشانی موجود ہے... یہ سن کر لوگوں نے کہا...

کیا آپ کا اشارہ ابو طالب کی طرف ہے... اس نے فوراً کہا

ہاں... وہ سب کھڑے ہو گئے اور ابو طالب کے دروازے پر آئے... ابو طالب باہر نکلے تو لوگوں نے ان سے کہا...

وادی میں قحط پڑا ہے... بچے ہلاک ہو گئے... آئیں بارش کی دعا کریں... ابو طالب ان کے ساتھ چلے... اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی انگلی پکڑے ساتھ چل رہے تھے اور آپ چھوٹے سے بچے تھے... ابو طالب نے آپ کی کمر خانہ کعبہ سے ملا دی اور آپ کی انگلی پکڑ کر آسمان کی طرف اٹھا دی... اس وقت آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا نہیں تھا... یعنی بارش ہونے کے کوئی آثار نہیں تھے... لیکن جونہی آپ کی انگلی اوپر اٹھی، بادل ادھر ادھر سے آ کر جمع ہونے لگے... اور پھر بارش شروع ہو گئی... شہر اور دیہات سب کے سب سیراب ہو گئے...

نبوت کے اعلان کے بعد جب قریش آپ کو ستانے لگے تو ایک مرتبہ ابو طالب نے ان سب سے اشعار کی صورت میں یہ بات بھی کہی...

تم انہیں ستاتے ہو... یہ تو روشن چہرے والے ہیں... ان کے چہرے کا واسطہ دے کر تو بارش طلب کی جاتی ہے... یہ تو یتیموں کے فریاد رس ہیں... بیواؤں کے محافظ ہیں... آل ہاشم کے ضرورت مند انہی کا دامن پکڑتے ہیں اور ایسا کر[illegible] کی وجہ سے نعمتیں اور عزت پاتے ہیں... (حجۃ اللہ علی العالمین)

☆☆☆☆

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ سال تھی کہ آپ کی والدہ آپ کو آپ کے دادا کے ننھیال میں لے آئیں... ایک دن ایک یہودی نے آپ کو دیکھا تو بار بار دیکھنے لگا، آخر اس سے رہا نہ گیا... پوچھنے لگا...

اے لڑکے تیرا نام کیا ہے... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا...

احمد!... اس پر اس نے آپ کی پشت مبارک کی طرف دیکھا اس وقت اس نے کہا یہ اس امت کا نبی ہے...

پھر وہ اپنے لوگوں میں گیا... اس نے انہیں بھی یہ بات بتائی... ان لوگوں نے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ کو بتائی... اس پر حضرت آمنہ کو خوف محسوس ہوا اور وہ آپ کو مدینہ منورہ سے واپس لے آئیں...

☆☆☆☆

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا زبیر کے ساتھ یمن کا سفر کیا... اس وقت آپ کی عمر دس سال سے کچھ زیادہ تھی... راستے میں ایک وادی آ گئی... وہاں ایک بہت طاقت ور اور مست اونٹ کھڑا نظر آیا... اس کے ڈر سے لوگ دونوں طرف رک گئے تھے... اس کے پاس سے گزر نہیں رہے تھے... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اونٹ سے ذرا بھی نہ ڈرے... اس کے نزدیک چلے گئے... اونٹ نے جو آپ کو دیکھا تو بیٹھ گیا اور اپنا سینہ زمین پر رگڑنے لگا... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اونٹ سے اتر کر اس پر سوار ہو گئے... یہاں تک کہ اس وادی کو پار کر گئے... تب کہیں جا کر آپ نے اسے چھوڑا... وادی سے آگے روانہ ہوئے تو ایک اور وادی راستے میں آ گئی... وہ پانی سے بھری ہوئی تھی اور پانی پورے زور شور سے بہہ رہا تھا... اس پانی کی وجہ سے لوگ رکے ہوئے تھے... یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا...

میرے پیچھے آؤ...

یہ کہہ کر آپ اس وادی میں داخل ہو گئے... اب کہاں تو پانی زور شور سے بہہ رہا تھا... کہاں آپ کے اس میں داخل ہوتے ہی پانی خشک ہو گیا... اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو گویا ہوا کی طرح اڑا دیا اور لوگوں نے آسانی سے وادی پار کر لی...

مکہ واپس پہنچ کر لوگوں نے یہ دونوں واقعے حیرت زدہ انداز میں بیان کئے اور آپس میں کہنے لگے... اس بچے کی عجیب شان ہے... (حجۃ اللہ علی العالمین)

☆☆☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا... آپ بھی اپنے بچپن کے بارہ میں کچھ بتائیں... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...

ایک مرتبہ میں اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں کھڑا تھا کہ میرے پاس دو آدمی آئے... ان کے کپڑے سفید تھے... ان میں سے ایک کے پاس سونے کا ایک طشت تھا... وہ طشت برف سے بھرا ہوا تھا... انہوں نے مجھے لٹایا اور میرے پیٹ کو چاک کیا... پھر انہوں نے میرے دل کو باہر نکالا اور اسے چیرا... اس میں سے سیاہ لوتھڑا نکال ڈالا... پھر انہوں نے میرے دل اور پیٹ کو اس برف سے دھویا... یہاں تک کہ انہوں نے میرے دل کو واپس میرے پہلو میں رکھ دیا اور دل گویا پہلے کی طرح ہو گیا... اب ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا...

ان کی امت کے دس آدمیوں سے ان کا وزن کرو... انہوں نے مجھے تولا تو میرا وزن زیادہ ہو گیا... اس پر پہلے نے کہا... سو آدمیوں سے وزن کرو...

اس نے مجھے سو آدمیوں سے تولا... اب بھی میرا وزن بڑھ گیا... اس کے بعد مجھے ہزار آدمیوں سے تولا گیا... اب بھی میرا وزن بڑھ گیا... اب پہلے نے کہا بس رہنے دو اگر تم انہیں پوری امت کے مقابلہ میں تولو گے تب بھی انہی کا وزن زیادہ ہو گا... (البدایہ والنہایہ)

☆☆☆☆

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں... میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں... عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں... جب میری والدہ نے مجھے اپنے پیٹ میں اٹھایا تو انہوں دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے اور اس نور میں شام کے محل نظر آنے لگے ہیں... میں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر میں دودھ پیا ہے... (البدایہ)

☆☆☆☆

خانہ کعبہ کے سائے میں عبدالمطلب کیلئے ایک تخت بچھایا جاتا تھا... عبدالمطلب آکر اس تخت پر بیٹھ جاتے ان کے سارے بیٹے ان کے اردگرد بیٹھتے لیکن اس مسند پر کوئی نہ بیٹھتا ایسے میں اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آتے تو سیدھے اس تخت پر جا بیٹھتے... اس وقت آپ بہت چھوٹے تھے... آپ کے چچا آپ کو تخت سے اتارنا چاہتے عبدالمطلب انہیں روک دیتے اوران سے کہتے...

میرے بیٹے کو کچھ نہ کہو' اللہ کی قسم اس کی بہت بڑی شان ہوگی... یہ کہنے کے بعد عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کواپنے ساتھ بٹھالیتے آپ کی کمر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے اور آپ کو دیکھ کرخوش ہوتے... (البدایہ)

اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی آپ کی شان ظاہر ہو چکی تھی...

☆☆☆☆

قبیلہ لہب کا ایک شخص فال نکالا کرتا تھا... جب وہ مکے میں آتا تو قریشی لوگ اپنے لڑکوں کو اس کے پاس لے جاتے تھے وہ انہیں دیکھ کر ان کی فال نکال دیتا تھا... حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو طالب کے باقی لڑکوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے... اس فال کو نکالنے والے نے ایک نظر سے آپ کو دیکھا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا فارغ ہوا تو بولا...

اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ...

ابو طالب نے کوئی خوف محسوس کیا اور آپ کو اس کے پاس سے ہٹا دیا اس پر وہ بولا...

اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ جسے میں نے ابھی دیکھا تھا... کم بختو! اللہ کی قسم اس لڑکے کی شان ضرور عظیم ہوگی...

ابو طالب فوراً آپ کو وہاں سے لے کر چل دیئے...

نوٹ... فال نکالنا مشرکین کا طریقہ تھا اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں...

☆☆☆☆

ایک مقام پر کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے... وہاں پیلو کے درخت تھے... ان پر پیلو لگے ہوئے تھے... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیلو توڑنے لگے... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا... سیاہ پیلو توڑو وہ زیادہ خوش ذائقہ ہوتے ہیں...

صحابہ کرام میں سے کسی نے پوچھا...

اے اللہ کے رسول! آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہے کیا آپ بکریاں چراتے رہے ہیں... جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا...

ہاں میں نے بچپن میں بکریاں چرائی ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں... میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا... (بخاری)

☆☆☆☆
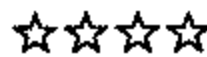
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پیچھے صف بنائے کھڑے تھے... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ ایسے میں مسجد میں تشریف لے آئے... جب آپ سجدے میں گئے تو حضرت حسن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک پر بیٹھ گئے اور دیر تک بیٹھے رہے... جب تک وہ خود نہ اٹھے آپ سجدے کی حالت میں ہی رہے... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے...

تم کیسے بچے ہو' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن پر بیٹھ گئے... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا... انہیں کچھ نہ کہو' یہ جو کچھ کریں مجھے پسند ہے...

☆☆☆☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر پر تشریف لے گئے... آپ کی عدم موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں کچھ رقم بھیجی... سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس رقم سے دو کنگن بنوالئے اور ایک پردہ خرید کر اپنے دروازے پر لٹکا لیا...

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس تشریف لائے تو اپنی عادت مبارکہ کے مطابق سیدھے اپنی صاحبزادی کے پاس تشریف لائے... آپ کی نظر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

عنہا کے کنگنوں اور دروازے پر لٹکے ہوئے پردے پر پڑی تو واپس پلٹ گئے... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دیکھا تو استقبال کیلئے خوشی خوشی دروازے کی طرف لپکیں... آپ کو واپس جاتے دیکھ کر آپ رونے لگیں... اور سب سمجھ گئیں کہ آپ کو ان چیزوں سے نہایت ناگواری گزری ہے پہلے تو آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا... آپ نے فوراً پردہ اتار دیا... دونوں کنگن بھی نکال لئے... پھر آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلوایا... ایک کو کنگن تھمائے' دوسرے کو پردہ اور ان سے فرمایا...

یہ دونوں چیزیں اپنے نانا جان کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہنا' آپ کی عدم موجودگی میں ہم نے ان دونوں چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں بنایا... یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں... آپ ان کا جو جی چاہے کیجئے...

دونوں صاحب زادے ان دونوں چیزوں کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے... والدہ ماجدہ کا پیغام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا... آپ نے دونوں کے منہ پر بوسہ دیا شفقت سے اپنے زانوئے مبارک پر بٹھایا اور خوشی کا اظہار فرمایا... پھر حکم فرمایا چاندی کے یہ دونوں کنگن توڑ دیئے جائیں...

کنگن توڑ دیئے گئے تو آپ نے ان کے ٹکڑے اہل صفہ (وہ حضرات جو خود کو دینی تعلیم کیلئے وقف کئے ہوئے تھے)۔ میں تقسیم فرما دیئے... صفہ اس چبوترے کو کہتے ہیں جو مسجد نبوی کے باہر دروازے کے ساتھ بنایا گیا تھا اس پر نادار صحابہ بیٹھا کرتے تھے... پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب صفہ میں سے ایک صحابی کو بلایا... اس کے پاس کپڑا نہیں تھا... اس دروازے کے پردے میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اسے دے دیا... اس طرح ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا اس پردے میں سے عنایت فرمایا... اس سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...

اللہ میری بیٹی فاطمہ پر رحمت بھیجے اور انہیں جنت کے خوبصورت لباس عطا کرے اس بخشش کے بدلے میں جو انہوں نے کی اور اس پردے کے بدلے میں جس سے مسلمانوں کی ستر پوشی ہوئی اور اللہ انہیں ان کنگنوں کے بدلے میں جنت کا زیور پہنائے جو انہوں نے غریبوں میں تقسیم کئے...

☆☆☆☆

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ خود سنایا:

فرماتے ہیں "گذشتہ رات جبکہ میں سو رہا تھا...

جبرئیل علیہ السلام آئے اور مجھ کو جگایا...

ابھی پوری طرح جاگ بھی نہ پایا تھا کہ حرم کعبہ میں اٹھا لائے پھر تھوڑی دیر لٹا کر پوری طرح جگا کر کے پہلے میرا سینہ چاک کیا...

تاکہ دنیا کی کدورتوں کے اثرات صاف ہو جائیں اور دھویا اور ایمان اور حکمتوں سے بھر دیا...

اس کے بعد مجھے حرم کے دروازہ پر لایا گیا... اور وہاں جبرئیل نے بُراق کو میری سواری کے لئے پیش کیا... براق سفید رنگ کا تھا...

جب میں سوار ہو کر روانہ ہوا تو اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ حد نگاہ اور حد رفتار یکساں نظر آتی تھی، کہ اچانک بیت المقدس جا پہنچے...

براق کو مسجد کے دروازہ پر باندھ دیا...

پھر میں نے مسجد اقصیٰ میں دو رکعت پڑھیں...

پھر جبرئیل علیہ السلام نے میرے سامنے دو پیالے پیش کئے...

ایک شراب سے بھرا ہوا تھا اور دوسرا دودھ سے...

میں نے دودھ کا پیالہ قبول کیا...

حضرت جبرئیل نے کہا آپ نے دودھ کا پیالہ قبول کر کے دین فطرت کو اختیار کیا...

اس کے بعد ملاء اعلیٰ (آسمانوں سے بلند) کا سفر شروع ہوا... جب ہم پہلے آسمان (آسمان دنیا) تک پہنچ گئے تو حضرت جبرئیل نے نگہباں فرشتوں سے دروازہ کھولنے کو کہا...

نگہبان فرشتہ نے دریافت کیا...

کون ہے؟ جبرئیل نے کہا

میں جبرئیل ہوں...

فرشتہ نے کہا...

تمہارے ساتھ کون ہے؟

جبرئیل نے جواب دیا...

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ کے مدعو ہو کر آئے ہیں...

جبرئیل نے کہا...

بے شک

فرشتہ نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا...

ایسی ہستی کا آنا مبارک ہو...

جب ہم اندر داخل ہوئے تو حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی...

جبرئیل علیہ السلام نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا

یہ آپ کے والد اور نسل انسانی کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام ہیں آپ ان کو سلام کیجئے...

میں نے اُن کو سلام کیا...

انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا

"مرحبا... خوش آمدید... برگزیدہ بیٹے اور برگزیدہ نبی کو...

اس کے بعد دوسرے آسمان تک پہنچے اور پہلے آسمان کی طرح سوال و جواب ہو کر دروازہ میں داخل ہوئے تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی...

جبرئیل علیہ السلام نے اُن کا تعارف کرایا اور کہا

کہ آپ ہی پہلے سلام کیجئے...

میں نے سلام کیا اور دونوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا...

خوش آمدید اے برگزیدہ بھائی اور برگزیدہ نبی... پھر تیسرے آسمان پر پہنچ کر یہی معاملہ پیش آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی...

سلام کیا... جواب سلام کے بعد اسی طرح خوش آمدید کہا...

اے برگزیدہ بھائی اور اے برگزیدہ نبی کہا... اس کے بعد چوتھے آسمان پر اس سلام و جواب کے ساتھ حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی

اور پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام

اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسی طرح ملاقات ہوئی...

لیکن میں جب وہاں سے روانہ ہونے لگا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رونا آنے لگا

میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا...

مجھے رشک ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے ایسی ہستی کو (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) جو میرے بعد مبعوث (نبی بنائے گئے) ہوں یہ مرتبہ وشرف بخش دیا کہ اُن کی امت میری امت کے مقابلہ میں کئی گُنا زیادہ جنت میں داخل ہوگی (جنت سے فیض یاب ہوگی)

اس کے بعد پچھلے سوالات وجوابات کا مرحلہ طے ہوکر جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی

جو بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے اور جس میں ہر روز ستر ہزار نئے فرشتے (عبادت کیلئے) داخل ہوتے ہیں... انہوں نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا...

''مبارک اے میرے برگزیدہ بیٹے اور برگزیدہ نبی...

یہاں سے پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا... (تمہاری بول چال میں یہ ایک انتہا کی بیری کا درخت ہے) جس کا پھل (بیر) ہجر کی ٹھلیا کے برابر ہے... اور جس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح چوڑے ہیں...

اس پر اللہ کے فرشتے جگنو کی طرح بے تعداد چمک رہے تھے... اور خدا کی خاص تجلی نے اس کو حیرت طور پر روشن اور پُر کیف بنا دیا تھا...

اس سفر میں، میں نے چار نہروں کا بھی معائنہ کیا اُن میں سے دو ظاہر بہتی تھیں اور دو باطن بہہ رہی تھیں...

یعنی دو نہریں جن کا نام نیل وفرات ہے

''آسمان دنیا پر نظر پڑیں اور دو نہریں جنت کے اندر موجود پائیں...

اور ان مشاہدات کے بعد شراب، دودھ اور شہد کے پیالے پیش کئے گئے اور میں نے دودھ کو قبول کرلیا...

اس پر جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بشارت سنائی کہ آپ نے دینِ فطرت کو قبول کرلیا (یعنی جو ہر قسم کی کدورتوں سے پاک اور شفاف ہے... عمل میں شیریں اور خوشگوار اور نتیجہ میں حد درجہ مفید اور احسن ہے)...

پھر خدائے تعالیٰ کا خطاب ہوا کہ تم پر رات و دن میں پچاس نمازیں فرض قرار دی گئیں...

جب میں ان اسرار الٰہی کے مشاہدات سے فارغ ہو کر نیچے اترنے لگا تو درمیان میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی...

انہوں نے دریافت کیا کہ

معراج کا کیا تحفہ لائے ہو؟

میں نے کہا

پچاس نمازیں...

انہوں نے فرمایا

تمہاری اُمت اس بارگراں (بوجھ) کو برداشت نہ کر سکے گی...

اس لئے واپس جایئے اور کم کرنے کی درخواست کیجئے کیونکہ میں تم سے قبل اپنی امت کو آزما چکا ہوں...

چنانچہ میں درگاہ الٰہی میں واپس لوٹا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے پانچ کی کمی ہوگئی...

موسیٰ علیہ السلام تک لوٹ کر آیا تو انہوں نے پھر اصرار کیا

کہ اب بھی زیادہ ہیں اور کم کراؤ...

اور میں اسی طرح چند مرتبہ آتا جاتا رہا حتیٰ کہ صرف پانچ نمازیں رہ گئیں...

مگر موسیٰ علیہ السلام مطمئن نہیں ہوئے اور فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کا کافی تجربہ اور ان کی اصلاح کر چکا ہوں... اس لئے مجھے اندازہ ہے کہ آپ کی اُمت یہ بھی برداشت نہ کر سکے گی... اس لئے کمی کرانے کی مزید عرض کیجئے...

تب میں نے کہا کہ

اب عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے... میں اب راضی بہ رضا اور فیصلہ کے سامنے سر

نیاز جھکاتا ہوں...

جب میں یہ کہہ کر چلنے لگا تو ندا آئی...

ہم نے اپنا فرض نافذ کردیا... اور اپنے بندوں کے لئے کمی کردی یعنی اللہ کی مرضی اس سے قبل ہی یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ اُمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بصورت ادا اگرچہ پانچ نمازیں فرض رہیں گی مگر ان کا اجر وثواب پچاس ہی کے برابر ہوگا... اور یہ کمی ہمارا فضل وکرم ہے...

پھر میں نے جنت اور جہنم کا بھی مشاہدہ کیا...

شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال بھی دکھایا گیا...

داروغہ دوزخ کو سلام کیا...

جنت کی بھی سیر کرائی گئی جس کے گنبد اور عمارتیں موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی...

☆☆☆☆

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور اس وقت کے مٹھی بھر مسلمانوں کے ساتھ مکہ مکرمہ کے مشرکوں اور بت پرستوں نے اتنا ظلم ڈھایا کہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی...

یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ ایک اللہ کی عبادت چھوڑ کر سینکڑوں بتوں کی پوجا کرتے...

آخر کار مسلمانوں میں سے کچھ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے جس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ معہ اپنے اہل وعیال کے شامل تھے...

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان موذیوں نے (اللہ کی پناہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کرنے کی ٹھان لی...

تب اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اطلاع دی...

اسی رات جب لوگوں نے محاصرہ کر رکھا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹا دیا اور خود ان کی آنکھوں میں دھول ڈالتے یعنی شَاهَتِ الْوُجُوه پڑھتے ہوئے سامنے سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے...

ان کو ہمراہ لے کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی...

مدینہ منورہ کے کچھ لوگوں نے جو پہلے ہی سے مسلمان ہو چکے تھے بڑا شاندار استقبال کیا...

مکہ والوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیچھا کیا تو آپ ایک بہت بلند پہاڑی پر غار ثور میں جا کر چھپ گئے تو مکڑی نے جالا بنا کر تان دیا...

پیچھا کرتے کرتے وہ غار تک پہنچ گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تشویش ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا... لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا آپ بالکل فکر نہ کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے... الحمدللہ ایسا ہی ہوا...

مشرک مکڑی کا جالا اور کبوتر کی موجودگی دیکھ کر واپس ہو گئے...

☆☆☆☆
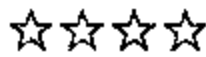
جس لشکر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوتے تھے اس جہاد کو سریہ

اور جس میں بہ نفس نفیس خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرکت فرماتے تھے اس کو غزوہ کہتے ہیں...

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تو یہ بات مکہ کے مشرکوں اور بت پرستوں کو بہت شاق گذری

تلملا اٹھے اور لڑنے مرنے اور جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں...

پہلے تو چھوٹے چھوٹے غزوات مثلاً بواط اور غزوۂ عشیرہ ہوتے رہے پھر سب نے مل کر ہتھیار اور اسلحہ خوب جمع کرنا شروع کر دیا...

ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں ملک سے باہر ہتھیار خریدنے کو بھیجا...

وہ قافلہ طرح طرح کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر جب مکہ مکرمہ واپس لوٹ رہا تھا تو مدینہ میں مسلمانوں کو اطلاع ملی...

☆☆☆☆

طے پایا کہ ان کے اسلحہ اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا جائے...

کیونکہ یہ اسلحہ آخر کار مسلمانوں پر ہی تو استعمال کیا جائے گا...

اب دیکھو ذرا قدرت کا کھیل

ابوسفیان کو جب یہ معلوم ہوا تو فوراً مکہ مکرمہ سے مدد منگوالی...

ایک طرف سینکڑوں کا لشکر اور سامان جنگ کی کثرت

اور دوسری طرف مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی...
چند تلواریں
دو تین گھوڑے ساٹھ زرہ اور ساٹھ اونٹ تھے...
جس مقام پر یہ لشکر آمنے سامنے مقابلہ پر آئے اس کو بدر کہتے ہیں اسی لئے اس کو غزوۂ بدر کہا جاتا ہے...
مہاجرین اور انصار نے بڑے جوش اور ولولہ انگیز تقریریں فرمائیں
جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک مسرت سے تمتما اٹھا... اور فرمایا...... اللہ کا وعدہ بلاشبہ سچا ہے اور...... میں ابھی سے قوم کے سرداروں کی قتل کی جگہ کو دیکھ رہا ہوں...
اور زمین پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ اس جگہ فلاں قریشی مارا جائے گا
اور یہاں فلاں قتل ہوگا... اور ایک اور حیرت کی بات سنو...
مشرکین مکہ جس طرف تھے اس طرف کی زمین نہایت ہموار اور پختہ فرش کی طرح تھی...
حد یہ کہ دشمن پانی پر اور مسلمان اس سے محروم تھے...
باوجود ان سب بے سروسامانی کے اور ناسازگار حالات کے چونکہ یہ حق و باطل کا معرکہ اور مقابلہ تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پاکر مسلمانوں نے والہانہ جذبہ کے ساتھ مقابلہ کیا اور ڈٹ گئے...
اس حالت میں جب دشمن بھی سامنے آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو مسلمانوں کی صفوں کو درست فرمایا...
پھر گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی شروع کی...
''اے اللہ تو نے جو وعدہ مدد کا مجھ سے فرمایا وہ پورا کر دیجئے... اے اللہ اگر یہ مٹھی بھر مسلمان ہلاک ہوگئے تو پھر خطہ زمین پر کوئی تیرا عبادت گذار باقی نہیں رہے گا...
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا...
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بس کیجئے... اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا...
اللہ پاک نے فوراً ایسا حکم فرمایا کہ مسلمانوں کی نگاہ میں دشمنوں کی تعداد اصل تعداد

سے کم نظر آنے لگی...اور مسلمان بھی مرعوب نہ ہوئے...

اور سنو! دشمنوں کی نگاہوں میں یہ مٹھی بھر مسلمان ایک وقت میں دوگنا معلوم ہونے لگے اور بُری طرح مرعوب ہو کر گھبرا گئے...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر اللہ پاک نے ایک ہزار فرشتے نازل فرما کر مدد فرمائی اور پھر یہ تعداد بڑھا کر تین ہزار کر دی

اور مزید فرمایا کہ اگر دشمن تم پر یک لخت حملہ کرے تو ہم پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کریں گے...

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عین لڑائی کے وقت مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے اونگھ طاری کر دی اور آنکھ کھلی تو تازہ دم ہو گئے...

پھر چوتھے یہ کہ آسمان سے پانی برسا دیا...

دشمن تو کیچڑ میں لت پت ہو گئے اور مسلمانوں کی زمین جو ریتلی تھی کو جما کر پختہ فرش بنا دیا...

اب جو جنگ نے زور پکڑا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''شَاھَتِ الْوُجُوْہُ'' (یعنی چہرے سیاہ ہوں) پڑھتے ہوئے مٹھی بھر خاک اور کنکریاں دشمنوں کی جانب پھینکیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت تو دیکھو کہ

ہوا کے ذریعہ اس کے ذرات تمام مشرکین کی آنکھوں کے اندر پہنچ گئے

اب جو انہوں نے گھبراہٹ اور بے بسی کے عالم میں آنکھیں ملنا شروع کیا تو بھاگنے کا بھی موقع نہ ملا...

ان کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر گرفتار...

باقی بھاگ گئے...

☆☆☆☆

اُحد مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے...

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُحد سے بڑی محبت تھی...

غزوۂ بدر میں جو شکست قریش کھا چکے تھے...

اس کا بدلہ لینے کے لئے ابوسفیان کی کمان میں تین ہزار سورماؤں کا لشکر مکہ مکرمہ سے نکلا اور اُحد کے سامنے آ کر خیمہ ڈال دیا...

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح مشورہ فرمایا

اور ایک ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے مدینہ سے نکلے...

اس لشکر میں تین سو منافق بھی ساتھ ہو لئے...

کچھ دور ساتھ چلنے کے بعد مسلمانوں میں پست ہمتی پیدا کرنے کی خاطر وہ واپس مدینہ منورہ آ گئے...

مسلمانوں کا حوصلہ اور زیادہ بلند ہو گیا...

بچوں میں اسلام پر جان دینے کا وہ جذبہ تھا کہ

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر میں شامل کرنے کا جائزہ لیا

اور دو چھوٹی عمر کے بچوں کو واپسی کا حکم دیا تو رافع بن خدیج جو ابھی بہت کم عمر تھے وہ پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے کہ یہ دیکھئے میں بڑا ہوں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہمت اور شوق کو دیکھ کر اجازت دے دی...

اسی طرح جب ایک دوسرے کم عمر بچہ سمرۃ بن جندب کو الگ کیا تو وہ رونے لگا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب رافع جنگ کے لئے شریک کئے جا سکتے ہیں تو مجھ کو کیوں خارج کیا جا رہا ہے... جبکہ رافع کو میں کشتی میں پچھاڑ دیتا ہوں... آخر کشتی کرائی گئی اور سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا...

پھر دونوں کو لشکر میں شامل کر لیا گیا...

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی اس طرح صف بندی کی اور پچاس تیراندازوں کو پہاڑ کی ایک گھاٹی پر مقرر فرما دیا

کہ چاہے فتح ہو چاہے شکست کسی حال میں بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں...

تاکہ پیچھے سے دشمن حملہ آور نہ ہو سکے...

جب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی تو تھوڑی ہی دیر میں اللہ پاک نے دشمنوں کے

قدم اکھاڑ دیئے....

اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے...

جب میدان صاف پایا تو مسلمانوں کے لشکر نے مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا...

وہ جو پچاس تیر انداز پہاڑ کے پیچھے مقرر تھے غالباً یہ سمجھ کر کہ لڑائی تو اب ختم ہو چکی ہے وہ بھی مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے......

دشمن نے خالی جگہ دیکھ کر پیچھے گھاٹی کی طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے...

مسلمان اس اچانک حملہ سے گھبرا گئے اور منتشر ہو گئے... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں صرف حضرت ابوبکر، عمر، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے...

پھر بھی ایک پتھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آ کر لگا جس سے آپ کا ایک دانت شہید ہو گیا اور لڑکھڑا گئے جس سے خود سر میں گھس گیا اور چہرۂ مبارک اور بازوؤں میں کافی زخم آئے...

ایک مشرک نے پکار دیا کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا...

یہ سنتے ہی سارے صحابہ کرام سمٹ کر جمع ہو گئے کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو اب ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے...

ابوسفیان (مشرکوں کا سردار) نے جب یہ نقشہ دیکھا تو یہ کہہ کر آئندہ سال پھر بدر ہی میں معرکہ آرائی ہو گی...

پھر اپنا لشکر واپس مکہ لے گیا...

☆☆☆☆

عرب کے قبیلے یہود اور جن سے ان کا معاہدہ تھا

سب کے سب جمع ہو کر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے نکلے تھے...

اور مدینہ منورہ کے اندر منافقین کا گروہ خفیہ طور پر ان کی مدد کر رہا تھا...

ابوسفیان دس ہزار مشرکوں کا لشکر لے کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کیلئے نکلا...

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا...

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ

خندق کھود کر دشمنوں سے حفاظت کر لی جائے...

چنانچہ کدال لے کر خود بھی بہ نفس نفیس شرکت فرمائی...

میرے پیارے بچو!

ذرا غور کرو سرکار دو جہاں فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور خندق کا کھودنا اور اپنے صحابہ کے ساتھ مل کر اور اس سے زیادہ حیرت کی بات بتاؤں...

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین دن کے فاقہ سے تھے اور پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے اور اس کے آگے تو کوئی حد ہی نہیں رہ گئی جبکہ ایک بہت سخت پتھر بیچ میں آ گیا...

سب صحابہ نے خوب زور لگایا لیکن اس پتھر کو حرکت نہ ہوئی... صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بسم اللہ'' کہہ کر کدال کی ایک ضرب سے اس پتھر کو پارہ پارہ کر دیا...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام بھی، تین دن رات بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھے اسلام کی خاطر مصروف رہے...

خندق سے مٹی اٹھا کر اِدھر اُدھر منتقل کر رہے تھے اور جسم مبارک گرد میں اٹا ہوا تھا...

اسی لئے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں...

دشمنوں کو آگے بڑھنے کا کوئی موقع نہ ملا...

بیس روز تک محاصرہ اور گھیراؤ کئے رہے...

آخر میں کفار ہی کا ایک شخص نعیم بن مسعود نخعی کے دل میں فتور آیا اور اس نے مشرکین مکہ اور یہود مدینہ کے درمیان بے اعتمادی پیدا کر دی اور ایسا اختلاف پیدا ہو گیا کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ہوا کو حکم دیا...

اور وہ طوفان بن کر دشمنوں کے اوپر اتنی تیز چلی کہ

تمام لشکر تہہ و بالا ہو گیا...

خیمے اکھڑ گئے چوپائے بھڑک کر بھاگنے لگے
آخر کار دشمن نے محاصرہ ختم کر دیا... اور بھاگ گئے...
اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اس طرح دعا فرمائی تھی:
''اے کتاب (قرآن) کے نازل کرنے والے خدا! اے جلد حساب لینے والے تو مشرکین کی جماعتوں کو شکست دیدے... الٰہی ان کو فرار کرا اور ان کو ڈگمگا دے''

☆☆☆☆

حدیبیہ مکہ مکرمہ سے جدہ کی جانب ایک منزل پر واقع ہے...
اصل میں یہ ایک کنوئیں کا نام ہے...
۶ ہجری مطابق فروری ۶۲۸ء ماہ ذی قعدہ پیر کے دن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرہ کرنے روانہ ہوئے...

☆☆☆☆

ایک جاسوس نے اطلاع دی کہ قریش مکہ کا ارادہ ہے کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے...
مشورہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا کہ
ہم تو صرف عمرہ کرنے نکلے ہیں... جنگ یا قتل ہمارا مقصد نہیں...
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اچانک بے خبری میں خالد بن ولید کے دستہ کے سامنے پہنچ گئے تو اپنی گھات کو ناکام دیکھ کر خالد گھبرا گئے اور تیزی کے ساتھ مشرکین مکہ کے پاس پہنچ گئے...
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس ٹیلہ پر پہنچے جہاں سے اتر کر مکہ مکرمہ پہنچنا تھا تو اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ بیٹھ گئی اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...
''قصویٰ ہرگز نافرمان نہیں ہوئی اور نہ یہ اس کی عادت ہے بلکہ اس کو اس خدا نے روک دیا ہے... جس نے ہاتھی والوں کو روک دیا تھا...

(لہٰذا) اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ (مشرکین) مجھ سے جو بھی چاہیں گے جس میں بیت اللہ کی حرمت پیش نظر ہو تو میں ضرور اس کو پورا کروں گا...

جیسے ہی یہ اعلان ہوا قصویٰ فوراً! اٹھ کھڑی ہوئی

اور حدیبیہ کے میدان میں جا پہنچی...

☆☆☆☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا...

ابوسفیان وغیرہ سے مل کر گفتگو کی تو انہوں نے ایک نہ سنی اور کہنے لگے تم اگر چاہو تو اکیلے طواف کرلو ورنہ ہم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے...

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا

یہ تو میں ہرگز نہیں کر سکتا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف اور عمرہ ادا کرلوں...

قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ اصرار دیکھا تو ان کو واپس جانے سے روک لیا...

اُدھر مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے...

ہر شخص بیقرار اور بے قابو ہوا جا رہا تھا...

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر مسلمانوں سے اس بات پر بیعت لی کہ مر جائیں گے مگر ہم سے کوئی ایک بھی فرار نہیں ہوگا...

جب مشرکین مکہ کو یہ خبر پہنچی تو خوفزدہ ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپسی کی اجازت دے دی...

اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں...

مشرکین مکہ پر اس بیعت کا ایسا اثر پڑا کہ وہ خود صلح پر آمادہ ہو گئے...

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلح کی تجویز کو پسند فرمایا...

طے پایا کہ:

۱۔ اس سال مسلمان مکہ میں داخل نہ ہوں اور واپس چلے جائیں...

۲۔ آئندہ سال مسلمان بغرض عمرہ مکہ میں اس طرح داخل ہوں گے کہ معمولی ہتھیاروں کے علاوہ کوئی جنگی ہتھیار نہیں ہوگا اور تلواریں نیام کے اندر ہی رہیں گی... صرف تین دن قیام کریں گے...

۳۔ معاہدہ کی مدت کے اندر دونوں جانب امن و عافیت کے ساتھ آمد و رفت جاری رہے گی...

۴۔ اگر کوئی شخص مکہ سے مدینہ چلا جائے گا تو اس کو مکہ واپس کرنا ہوگا لیکن جو مدینہ سے مکہ آئے گا تو اس کو واپس نہیں کریں گے...

۵۔ تمام قبائل آزاد ہیں جو جس فریق کا دوست بننا چاہے حلیف بن جائے گا...

۶۔ یہ معاہدہ دس سال تک قائم رہے گا... کوئی خلاف ورزی نہیں کرے گا...

معاہدہ کی تحریر کے وقت نام مبارک کے ساتھ لفظ ''رسول اللہ'' لکھنے پر مکہ والوں کے نمائندہ سہیل نے اعتراض کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو معاہدہ لکھ رہے تھے صاف انکار کر دیا کہ رسول اللہ ضروری ہے...

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے اس کو محو کر دیا...

☆☆☆☆

مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ ہم نے دب کر صلح کی ہے...

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا...

''یا رسول اللہ'' ''کیا حدیبیہ کا واقعہ'' فتح ہے...

آپ نے فرمایا

ہاں قسم بخدا بلا شبہ یہ ''فتح'' ہے...

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے لاڈلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حکمت اور فراست عطا فرمائی کہ صلح کے بعد کے واقعات سورج کی طرح روشن دلیل ہیں کہ یہ دب کر صلح کرنا درحقیقت عین فتح مبین، فتح عظیم ثابت ہوئی...

پہلے یہ کہ جنگ کا خطرہ ٹل گیا... مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں آنے جانے کا بے خطر امن

اوراطمینان کاراستہ کھل گیا...

اب جو قریش مکہ اور مسلمانوں میں تبادلہ خیالات کا موقع ملا تو تبلیغ اور دعوت کے ذریعہ لوگوں نے دھڑا دھڑ اسلام قبول کرنا شروع کر دیا...

حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام اسی صلح کا کارنامہ ہے...

تم غور کرلو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس صلح سے قبل عمرہ کے لئے نکلے تو صرف چودہ سو مسلمان ہمراہ تھے

لیکن جب فتح مکہ کے لئے صرف دو سال بعد نکلے تو دس ہزار تعداد تھی...

☆☆☆☆

مشرکین مکہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور وہ ٹوٹ گیا...

ہوا یہ مشرکین کے دو قبیلہ بنی خزاعہ اور بنی بکر میں پھر جنگ چھڑ گئی...

بنی خزاعہ مسلمانوں کا ساتھ دیتے تھے... انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگی...

قریش اس سے ڈر گئے اور ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ قبیلوں کی جنگ کے واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپالیں اور معاہدہ کی مدت میں اضافہ اور ازسر نو معاہدہ کر لیں...

ابوسفیان مدینہ پہنچے تو سیدھے اپنی بیٹی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا (جو کہ ازواج مطہرات میں سے تھیں) کے گھر گئے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا، اُم حبیبہ نے کہا کہ... یہ پیغمبر خدا کا پاک بستر ہے اور آپ مشرک ہیں...

ابوسفیان وہاں سے بڑبڑاتا ہوا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور نئے معاہدہ کی تجویز پیش کی... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ

نئے معاہدہ کی کیا ضرورت ہے... تم مطمئن رہو ہم اپنے عہد پر قائم ہیں...

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سن کر وہ مایوس ہو گیا تو اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہکانا چاہا ان سے بھی مایوس ہو کر وہ مکہ واپس ہو گیا...

اس طرح صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے ٹوٹنے کی تصدیق ہو گئی...

☆☆☆☆

معاہدہ ٹوٹ جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ فرمایا اور یہ طے ہوا کہ پوشیدہ طور پر قریش کو مرعوب کر کے مکہ مکرمہ فتح کر لیا جائے...

کسی قریش کو کانوں و کان خبر نہ ہو...

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش یہ تھی کہ مکہ میں جنگ نہ ہونے پائے اور قریش مرعوب ہو کر مطیع و مغلوب ہو جائیں...

رمضان المبارک کی ابتدائی تاریخیں تھیں...

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار جانثاروں کے ساتھ مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے...

کچھ دور تک پہنچے تو دیکھا کہ روزہ کی سختی تیز ہو رہی ہے...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر مجمع کے سامنے نوش فرمایا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سفر کی حالت میں اور پھر جہاد کے موقع پر روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے...

اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوئے... آپ نے فرمایا اہل و عیال کو مدینہ منورہ بھیج دیں اور آپ ہمارے ساتھ رہیں...

☆☆☆☆
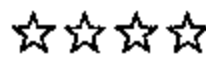
اسلامی لشکر جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا تو ابوسفیان چھپ کر لشکر کا صحیح اندازہ کر رہے تھے کہ اچانک ان کو گرفتار کر کے خدمت اقدس میں پیش کر دیا...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان پر نگاہِ کرم ڈالتے ہوئے معاف کر دیا...

ابوسفیان نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اخلاق دیکھا تو فوراً مسلمان ہو گئے...

اسی طرح عبداللہ بن ابی اُمیہ بھی اسلام کے شیدائی بن کر حاضر خدمت ہوا تو فرمایا

آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں......اور اللہ ارحم الراحمین ہے

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

ابوسفیان کو ابھی مکہ واپس جانے دو اور سامنے کی پہاڑی پر لے جاؤ تا کہ وہ مسلمانوں کی شوکت کا اندازہ کر سکیں...

☆☆☆☆
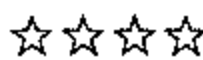
مہاجرین اور انصار کے جدا جدا قبیلے اپنے اپنے پرچم لہراتے ہوئے سامنے سے گذر رہے تھے...

ابوسفیان اُن کو دیکھ کر متاثر ہو رہے تھے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے انصار کا پرچم ہاتھ میں لئے گذرے تو ابوسفیان کو دیکھ کر جوش میں کہہ گئے کہ آج کا دن جنگ کا دن ہے...

آج کعبہ میں جنگ حلال ہے...

ابوسفیان کو بھی جوش آ گیا... اے عباس جنگ کا دن مبارک ہو...

پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دستہ گذرا تو ابوسفیان نے خدمت اقدس میں سعد رضی اللہ عنہ اور اپنا مکالمہ سنایا تو ارشاد فرمایا

"سعد نے صحیح نہیں کیا... آج کا دن تو وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں کعبہ کی عظمت کو بلند و بالا کرے گا اور آج کعبہ پر غلاف چڑھایا جائے گا...

اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو برطرف کر کے پرچم اور لشکر کی ذمہ داری ان کے بیٹے کے سپرد کر دی...

☆☆☆☆

اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو حکم فرمایا کہ تم مکہ مکرمہ کے نیچے کے حصے کی جانب سے داخل ہونا اور کسی کو قتل نہ کرنا ہاں اگر کوئی پہل کرے تو دفاع کی اجازت ہے...

اور خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بلند حصے سے بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس وقت یہ اعلان کرا دیا:

۱۔ جو مکان بند کر کے بیٹھ جائے اس کو امن ہے...

۲۔ جو ابوسفیان کے مکان میں پناہ لے اس کو امن ہے...

۳۔ جو مسجد حرام میں پناہ لے اس کو امن ہے...

☆☆☆☆

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو تواضع اور عاجزی کا یہ عالم تھ کہ درگاہ الٰہی میں خشوع وخضوع کے ساتھ اونٹنی پر اس درجہ جھکے ہوئے تھے کہ چہرہ مبارک اونٹنی کی پیٹھ کو چھورہا تھا...

جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ کعبہ سے تمام بُت نکال کر پھینک دیئے جائیں

اور دیواروں پر جو تصاویر نقش ہیں وہ مٹادی جائیں...

چنانچہ سب توڑ کر پھینک دی گئیں...

دو مورتیاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اس حالت میں سامنے آئیں کہ ان کے ہاتھوں میں بانس کے تیر تھے...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا ان مشرکوں کو مارے... یہ خوب جانتے تھے کہ یہ دونوں مقدس ہستیاں اس ناپاکی سے مقدس اور پاک تھیں...

کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو بلند آواز میں تکبیرات کہتے رہے اور نفل نماز ادا کی...

باہر تشریف لائے تو مقام ابراہیم پر نماز ادا کی...

☆☆☆☆

مشرکین حیران تھے کہ اتنی بڑی فتح وکامرانی کے موقع پر نہ کوئی جشن اور نہ گھمنڈ یا غرور کا اظہار...

ہر ایک خالص اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے...

عثمان بن طلحہ جنہوں نے بیت اللہ کی کنجی دینے سے انکار کیا تھا ان ہی کو بلا کر وہ کنجی ان کے سپرد کردی...

جو آج تک ان ہی کے خاندان میں چلی آرہی ہے...

تمام مشرکین اور خصوصاً قریش قیدیوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر ہر قسم کی تکالیف پہنچائی تھیں سب کی آزادی کا اعلان کردیا...

ایک شخص لرزتا کانپتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''گھبراؤ نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں... میں تو خشک گوشت کھانے والی ایک

عزت کا بیٹا ہوں...

اس معافی و کرم کا یہ نتیجہ نکلا کہ قریش کے بڑے بڑے سردار تک جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے...

چنانچہ حضرت معاویہ اور حضرت قحافہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے والد اسی دن مسلمان ہو گئے...

اور تو اور ہندہ تک اس منظر کو دیکھ کر مسلمان ہو گئیں...

یہ وہی ہندہ ہیں جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا...

☆☆☆☆
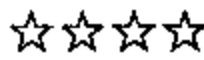
فتح مکہ کے بعد عرب قبیلے جوق در جوق مسلمان ہونے لگ گئے

لیکن قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف نے اور بھی قبائل کو شریک کر کے جنگ شروع کر دی...

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ کے بعد بارہ ہزار جانثاروں کا لشکر لے کر دفاع کی غرض سے حنین پہنچے...

بعض مسلمانوں کی زبان سے بغیر ان شاء اللہ کے اپنی فوج کی اکثریت کا گھمنڈ نکل گیا کہ آج ہماری قوت کو کوئی شکست نہیں دے سکتا...

اللہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اکثریت پر گھمنڈ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا...

اب جو جنگ چھڑی تو دشمنوں نے گوریلا جنگ کے طور پر پہاڑوں کی گھاٹی پر چھپ کر چہار طرف سے اسلامی لشکر پر تیروں کی اندھا دھند بارش کر دی جس سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور تمام بدو قبائل کی اکثریت میدان چھوڑ کر فرار ہو گئی...

مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کئے ہوئے اس حالت میں بھی رجز پڑھتے جاتے تھے

انا النبي لا كذب ...... انا بن عبد المطلب

اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے کہ میں نبی ہوں، میں عبد المطلب کی اولاد ہوں...

غرض اسی وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے

بلند آواز سے بھاگتے ہوئے لوگوں کو للکارا...

اے انصار کے لوگو! یا بیعت رضوان کے ساتھیو، ایک ایک مسلمان اپنی حالت پر افسوس کرتا ہوا پلٹ پڑا...

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو کر ایسی بہادری دکھلائی کہ منٹوں میں اللہ پاک نے شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا...

☆☆☆☆

تبوک ملک شام کا مشہور شہر ہے...

۹ ھ ہجری کا واقعہ ہے کہ وہاں کے بادشاہ قیصر روم ہرقل نے کئی لاکھ کا لشکر مسلمانوں پر چڑھائی کی غرض سے وہاں جمع کر دیا...

یہ سخت آزمائش کا وقت تھا...

سینکڑوں میل کی راہ نہایت ہی آگ برساتی ہوئی ہوا (لو اور دھوپ) اور تپتی ہوئی ریت سے واسطہ...

پورے حجاز میں قحط سالی، مالی حالات بالکل ناسازگار...

دشمن کی زبردست قوت کا مقابلہ کرنا تھا اس لئے مشورہ میں سارے حالات صحابہ کرام کے سامنے رکھ دیئے...

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ پاتے ہی ہر شخص جس سے جو کچھ ہو سکا لا کر پیش کر دیا...

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار سرخ، تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کئے...

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال پیش کر دیا...

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے سو اوقیہ

اور حضرت عاصم بن عدی نے ساٹھ وسق کھجوریں پیش کیں

اور حضرت عباس و حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ مال پیش کیا...

عورتوں نے بھی زیادہ سے زیادہ زیورات پیش کئے

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا کل مال اسلام پر قربان کر دیا...

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا

''اے ابوبکر تم اپنے اہل وعیال کے لئے بھی کچھ چھوڑ کر آئے ہو...

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا...

ہاں یارسول اللہ، میں اپنے گھر میں اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں...

غرض کہ مسلمانوں کا ایمانی جوش وولولہ سے بھرا ہوا زبردست لشکر تبوک کی طرف روانہ ہوا تو ہرقل بادشاہ روم کے جاسوسوں نے اس کو خبر سنائی تو اس کے ہوش اڑ گئے اور اس کا سارا لشکر تتر بتر ہو کر بھاگ کھڑا ہوا...

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ کے کچھ عیسائی امیروں کو امن وامان کا اطمینان دلاتے اور عہد وپیان کرتے ہوئے مدینہ منورہ کامرانی کے ساتھ واپس آ گئے...

☆☆☆☆
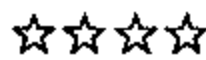
آپ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حالات سنائیں...

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر تعجب کیا اور فرمایا...... کیا تم قرآن نہیں پڑھتے قرآن جو کچھ کہتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو عمل کر کے دکھایا...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بعد سب سے زیادہ بزرگ ہستی ہیں آپ کے مبارک ناموں کی تعداد کسی نے چونسٹھ کسی نے ننانوے اور بعض نے ایک ہزار بتائی ہے... صلی اللہ علیہ وسلم...

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی قرآن پاک میں اس طرح مذکور ہے...

''اے ہمارے پروردگار ان عرب لوگوں میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو حکمت سکھائے اور ان کو ہر قسم کی برائیوں سے پاک کرے بے شبہ تو غالب اور حکمت والا ہے''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''میں بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیں گے اور ان کا نام احمد (عبرانی زبان میں فارقلیط) ہوگا...''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت 9 ربیع الاول بمطابق 20 اپریل 571ء ہے بروز پیر صبح کو ہوئی...

وہ مبارک صبح تھی جو شہروں کی ذق ذق بق بق سے دور کھیتی اور بغیر سبزہ کے سنگلاخ ترین مکہ مکرمہ کے باعزت خاندان قبیلہ قریش بنی ہاشم کے ہاں پیدا ہوئے آپ کی والدہ کا نام حضرت آمنہ بنت وہب تھا...

آپ کی پیدائش پر تمام عالم میں دھوم مچ گئی... کفر و شرک کے جتنے اڈے تھے سب کے سب ٹوٹ گئے... کسریٰ اپنے وقت کا بڑا بادشاہ تھا اس کے عالی شان محل کے چودہ کنگرے زمین بوس ہو گئے...

ملک فارس کے پارسیوں کا ایک عبادت خانہ تھا جس میں چوبیس گھنٹے برابر آگ جلتی رہتی اور لوگ آگ کی پوجا پاٹ کرتے اس وقت وہ آگ بھی بجھ گئی... مجوسیت کی تنظیم بھی بکھر گئی...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کلمہ توحید سارے عالم میں پھیل گیا... حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت سے پہلے ہی یتیم ہو گئے تھے...

آپ کے والد ملک شام میں تجارت کرنے گئے ہوئے تھے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچے تو بیمار ہو گئے اور وہیں انتقال ہو گیا... اللہ تعالیٰ نے براہ راست آپ کی پرورش کا انتظام فرما دیا...

آپ کی عمر چھ برس کی تھی آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بھی انتقال کر گئیں... مدینہ منورہ سے واپس آتے ہوئے نانی صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا... ابھی سات آٹھ سال کے نہ ہوئے تھے کہ دادا عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے دنیا کے تمام اسباب کفالت ختم کر کے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق آپ کی تربیت ہوتی رہی...

عرب کے دستور کے مطابق دیہات سے عورتیں آتیں اور بچوں کو دودھ پلانے کے لئے اپنے ساتھ لے جاتیں... چنانچہ جب عورتیں آئیں اور اپنی اپنی پسند کا انتخاب کر کے لے گئیں اور کسی عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خیال سے نہ لیا کہ یہ یتیم بچہ ہے اور معقول اجرت ملنے کی امید نہیں...

حضرت حلیمہ کی خوش بختی چمک اٹھی... انہوں نے جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لیا برکات و معجزات کا سلسلہ شروع ہو گیا...

سست رفتار لاغر اونٹنی سب سے ہوشیار اور صحت مند ہوگئی...

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں کافی سیلاب آیا اور کعبہ شریف کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے ...اس موقع پر اہل مکہ میں بڑا فساد ہوگیا...

آخر سب نے مل کر کعبہ کی دیواریں تعمیر کر دیں...لیکن حجر اسود کو اپنے خاص مقام پر نصب کرنے پر پھر فساد ہوگیا کہ ہر سردار اس مبارک کام کو اپنے ہاتھوں سرانجام دینے کا خواہش مند تھا...

بالآخر سب نے اتفاق کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کر دیں ہمیں منظور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی چادر منگوائی اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس میں رکھا...اور تمام سرداروں سے فرمایا چادر کا کونہ اپنی اپنی طرف سے پکڑ لیں...

جب حجر اسود اپنی جگہ پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اسے نصب فرمادیا یوں آپ کی حکمت سے ایک بڑا جھگڑا ٹل گیا اور سب خوش ہوگئے...

☆☆☆☆

ہماری گیند واپس کر دیں...

جس صاحب کو گیند لگی انہوں نے گیند دبوچ لی اور دینے سے انکار کر دیا۔

بچوں نے ہر چند منتیں کیں اور معذرت کی لیکن وہ غیر مسلم راضی نہ ہوا۔

بالآخر بچوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر گیند طلب کی اس پر اس غیر مسلم نے نہ صرف گیند دینے سے انکار کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے لگا...

اب تو بچوں کو گیند بھول گئی...انہوں نے ان لکڑیوں سے جن سے کھیل رہے تھے اس غیر مسلم کو مارنا شروع کر دیا اور اس کی خوب گت بنائی...

یہ معاملہ عدالت فاروقی میں پیش ہوا...

تحقیق پر غیر مسلم کا جرم ثابت ہوا کہ اس نے واقعی توہین رسالت کا جرم کیا ہے اور بچوں نے ایمانی غیرت کے تحت اس کی پٹائی کی ہے اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت خوش ہوئے کہ اللہ کا شکر ہے ہمارے بچوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی محبت ہے اور وہ اس معاملہ میں اتنے حساس اور بہادر ہیں...

☆☆☆☆

باب ۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بچپن

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت بڑے اور مشہور صحابی ہیں... فرماتے ہیں... میں بدر کی لڑائی میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا... مجھے اپنے دائیں بائیں جانب اور کم عمر انصاری بچے نظر آئے... اس لمحے میں نے سوچا اگر میرے دائیں بائیں بڑی عمر کے طاقت ور ساتھی ہوتے تو اچھا تھا... ہم ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد تو کر سکتے تھے... جب کہ میرے دائیں بائیں جانب کم عمر بچے ہیں... ضرورت کے وقت یہ کیا کر سکیں گے... ایسے میں ان میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا...

چچا جان! آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟... میں نے کہا...

ہاں پہچانتا ہوں لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو... میری بات کے جواب میں اس نے کہا...

مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے... اس پاک ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے... اگر میں اسے پکڑ لوں تو اس وقت تک اس کے پاس سے نہیں ہٹوں گا جب تک کہ اسے مار نہ ڈالوں... یا خود نہ مارا جاؤں...

مجھے اس کی باتیں سن کر حیرت ہوئی... اتنے میں دوسرے نے بھی وہی سوال پوچھا جو پہلے نے پوچھا تھا... اتنے میں میدان جنگ میں مجھے ابو جہل نظر آ گیا میں نے ان دونوں سے کہا جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے وہ آ رہا ہے...

میں نے اشارے سے انہیں بتایا کہ ابو جہل کون ہے یہ سنتے ہی دونوں تلواریں ہاتھوں میں لئے ابو جہل کی طرف دوڑ پڑے اور اس کے نزدیک پہنچتے ہی دونوں نے تلواریں چلانا شروع کر دیں... دونوں نے ابو جہل پر وار کئے... یہاں تک کہ اسے گرا دیا...

یہ دونوں لڑکے معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ تھے... معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں...

میں لوگوں سے سنتا رہا تھا کہ ابوجہل بہت بہادر ہے... جنگ جو ہے... اسے کوئی نہیں مار سکتا... وہ بڑی حفاظت میں رہتا ہے... مجھے اس وقت یہ خیال تھا کہ اسے میں قتل کروں گا...

معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کے خیالات بھی یہی تھے... یہ دونوں صاحب زادے پیدل تھے اور ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا... وہ صفوں کو درست کر رہا تھا... چھوٹے بچوں کے بعد گھوڑے پر سوار دشمن پر قتل کرنا ایک مشکل کام تھا... اس کے نزدیک جاتے ہی ایک نے ابوجہل کے گھوڑے پر حملہ کیا... دوسرے نے ابوجہل کی ٹانگ پر وار کیا... گھوڑا زخمی کھا کر گرا تو ابوجہل بھی گرا... اس کی ٹانگ پر بھی تلوار لگ چکی تھی... اس کے گرنے پر دونوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی تلواروں سے چند وار اور کیے... ابوجہل زخموں سے تڑپنے لگا... بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر اس طرف سے ہو گیا انہوں نے اس ملعون کا سر جسم سے الگ کر دیا...

جب دونوں بچوں نے ابوجہل پر حملہ کیا تو اس کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی یہیں باپ کے ساتھ تھے... انہوں نے معوذ بن معاذ کے کندھے پر حملہ کیا... معاذ کا بازو کٹ گیا... بازو صرف کھال سے لٹکا رہ گیا... انہوں نے اس لٹکے ہوئے بازو کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور دن بھر دوسرے ہاتھ سے لڑتے رہے... جب اس طرح بھی بازو کی وجہ سے مشکل پیش آئی تو اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا... اس طرح وہ کھال ٹوٹ گئی جس سے وہ اب تک اٹکا ہوا تھا... تب انہوں نے اس بازو کو پھینک دیا اور جنگ میں مشغول ہو گئے...

☆☆☆☆
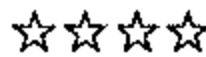
بارہ تیرہ سال کا ایک بچہ دوڑا جا رہا تھا... دھوپ تیز تھی... ارد گرد سناٹا تھا... اور وہ اپنی دھن میں بس چلا جا رہا تھا... اس کے دائیں ہاتھ میں تلوار تھی... یوں لگتا تھا جیسے اس بچے کو کسی بات کی کوئی پرواہ نہیں... اس کا رخ بستی سے باہر پہاڑوں کی طرف تھا... چہرہ پر شدید غصے کے آثار تھے... وہ کسی کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر گھما رہا تھا...

ایسے میں اچانک چٹان کے پیچھے کوئی نمودار ہوا... بچے نے تلوار کو مضبوطی سے پکڑ لیا... آنے والی ہستی بالکل سامنے آئی تو بچے کا چہرہ چمک رہا تھا... دوسری طرف آنے والی ہستی نے دیکھا تو بچے کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے تو محبت سے بھرپور لہجے میں پوچھا...

پیارے بیٹے! تم یہاں کیسے؟ بچے نے فوراً کہا... آپ کی تلاش میں...

اس بچے کا نام زبیر تھا... باپ کا نام قوام اور ماں کا نام حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھا... حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے... اس نے سنا کہ مکہ معظمہ میں افواہ پھیل گئی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ لوگ پکڑ کر پہاڑی کی طرف لے گئے ہیں... مکے میں آپکے دشمن بے شمار تھے... اس لئے یہ بات ناممکن نہیں تھی...

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی عمر صرف بارہ سال تھی... انہیں یہ خبر ملی تو اکیلے ہی آپ کو تلاش میں نکل کھڑے ہو گئے... آخر انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مل گئے... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا زبیر تم کدھر... حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا...

آپ کے بارے میں یہ خبر اڑی تھی کہ آپ کو پکڑ کر پہاڑوں کی طرف لے جایا گیا ہے... مکہ معظمہ میں چونکہ آپ کے دشمن بہت ہیں... اب یہ بھی ممکن تھا اس لئے میں آپ کی تلاش اور حفاظت میں نکل آیا...

ان کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا... اگر واقعی پکڑ لیا جاتا تو پھر تم کیا کرتے... حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا... میں مکے میں اتنے قتل کرتا کہ ان کے خون کی ندیاں بہہ جاتیں...

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر ہنس پڑے... انکی جرأت پر انہیں اپنی چادر مبارک انعام میں دی... اللہ تعالیٰ کو بھی اس بہادر بچے کی ادا بہت پسند آئی... چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے نازل ہوئے اور عرض کیا...

اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں اور زبیر کو بھی یہ خوشخبری دے دیں کہ اب قیامت تک جتنے لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں تلوار اٹھائیں گے ان سب کا ثواب بھی زبیر کو ملے گا اور ان لوگوں کو بھی ملے گا کیونکہ زبیر نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تلوار اٹھائی ہے...

☆☆☆☆

بیٹی دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دے...

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ الفاظ سن کر رک گئے...

آپ اپنے غلام اسلم رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں گشت کر رہے تھے اور یہ وقت تھارات کے آخری پہر کا...

آپ نے سنا کوئی لڑکی رو رہی تھی... امی جان... امیر المومنین نے تھوڑے دن پہلے ہی اعلان کروایا ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کرو...

عورت نے بیٹی کے جواب میں کہا...

امیر المومنین کو کیا پتہ چلے گا کہ ہم نے دودھ میں پانی ملایا ہے...

اس پر لڑکی بولی... امیر المومنین نہیں دیکھ رہے تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں...

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لڑکی کا جواب سن کر بہت خوش ہوئے... اتنے خوش ہوئے کہ اپنے بیٹے عاصم کی شادی اس لڑکی سے کر دی... اس لڑکی سے ایک لڑکی ام عاصم پیدا ہوئیں... یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی والدہ ہوئیں...

☆☆☆☆

گلی میں کچھ بچے کھیل رہے تھے ان میں حضرت زبیر بھی تھے... ایسے میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا آپ کو آتے دیکھ کر سب بچے بھاگ کھڑے ہوئے... لیکن یہ نہ بھاگے اپنی جگہ کھڑے رہے... حضرت عمر نے ان سے پوچھا...

یہ کیا بات ہے... اپنے دوستوں کے ساتھ تم کیوں نہیں بھاگے...

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا... اے امیر المومنین: میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا کہ بھاگتا راستہ بھی تنگ نہیں ہے کہ گزر نہیں سکتے... ان کا یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے...

☆☆☆☆

حضرت عمیر بن ابی وقاص مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی تھے... ایک دن انہوں نے اپنے بھائی کو دیکھ کر کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں

سے چھپنے کی کوشش کر رہے ہیں... آپ اس وقت اسلامی لشکر کا معائنہ فرما رہے تھے... حضرت سعد نے اپنے بھائی کو اس طرح چھپتے دیکھ کر پوچھا... کیا بات ہے...
تم اس طرح کیوں چھپ رہے ہو... کیا ہوا تمہیں؟
انہوں نے جواب دیا...
مجھے ڈر ہے مجھے چھوٹا سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے واپس نہ بھیج دیں اور میں جہاد کیلئے جانا چاہتا ہوں... شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرما دیں...
آخر انہیں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا... آپ نے انہیں چھوٹا دیکھ کر واپس جانے کا حکم فرمایا... اس پر آپ رونے لگے... آپ کو ان کے رونے پر ترس آیا اور انہیں جہاد کی اجازت دے دی...
حضرت سعد فرماتے ہیں... وہ اس وقت اتنے چھوٹے تھے کہ میں نے ان کی تلوار کے تسمے میں گرہیں لگائی تھیں تاکہ تلوار سنبھالنے میں انہیں آسانی ہو جائے...
آپ سولہ سال کی عمر میں شہید ہو گئے...

☆☆☆☆

غزوہ بدر میں حصہ لینے والے سات مجاہد ایسے بھی ہیں جو ایک ہی ماں کے بیٹے تھے... یہ بیٹے حضرت عفرا رضی اللہ عنہا کے تھے... ان کی پہلی شادی حارث سے ہوئی تھی حارث سے ان کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے... ان کے نام عوف... معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہم تھے... حارث کے بعد حضرت عفرا رضی اللہ عنہ کی شادی بکیر بن یالیل سے ہوئی... اس سے چار لڑکے ہوئے... اس کے نام ایاس... عاقل... خال اور عامر رضی اللہ عنہم تھے...
یہ سارے غزوہ بدر میں شریک ہوئے ایسی صحابیہ جن کے سات بیٹے بدر میں شریک ہوئے... صرف حضرت صفرا رضی اللہ عنہ ہیں...

دریائے فرات کے کنارے ایک بوڑھا دیہاتی وضو کر رہا تھا... اس نے جلدی جلدی وضو کیا... یعنی پورے طور پر نہ کیا... اسی طرح جلدی جلدی نماز پڑھ ڈالی... اس نے بھی رکوع اور سجود کا کچھ خیال نہ کیا... اتفاق کی بات... حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے

اسے وضو کرتے اور نماز پڑھتے دیکھا... اب دونوں اسے سمجھانا چاہتے تھے... لیکن ظاہر ہے... وہ عمر میں ان سے بہت بڑا تھا... یہ کہنا مناسب نہیں تھا کہ آپ نے وضو ٹھیک طرح نہیں کیا اور نماز بھی درست طریقہ سے نہیں پڑھی... چنانچہ حضرت حسن نے اس سے کہا...

آپ تجربہ کار ہیں... وضو اور نماز کا طریقہ ہم سے بہتر جانتے ہوں گے... ہم آپ کے سامنے وضو کرتے ہیں اور پھر نماز پڑھ کر دکھاتے ہیں... ہم سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو ہمیں بتا دیجئے گا...

اس کے بعد دونوں نے اچھی طرح سے وضو کیا... پھر صحیح طریقے سے نماز ادا کی... رکوع اور سجود پوری طرح کر کے دکھائے... بوڑھا سمجھ گیا کہ انہوں نے اسے سمجھانے کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے... کہنے لگا...

آپ دونوں کا وضو اور نماز درست تھی میرا وضو اور نماز درست تھی... میں آئندہ اسی طرح وضو کروں گا اور نماز ادا کروں گا... جس طرح آپ نے کر کے دکھایا ہے...

☆☆☆☆
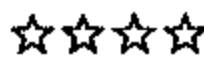
ایک ننھے بچے کی بے تحاشا رونے کی آواز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے...

رات کا آخری پہر تھا اور آپ گشت پر تھے... جب بچہ چپ نہ ہوا تو آپ نے دروازے کے قریب ہو کر فرمایا...

اللہ کی بندی: اللہ سے ڈر! بچے کو کیوں رلا رہی ہے... یہ فرما کر آپ آگے بڑھ گئے... کچھ دیر بعد وہاں سے گزرے تو بچہ اب بھی رو رہا تھا... اب تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا... آپ نے تیز آواز میں فرمایا...

اللہ تجھ سے پوچھے تو کتنی بے رحم ماں ہے آخر بات کیا ہے...

تیرا بچہ چپ کیوں نہیں ہوتا... بچے کی ماں نے جواب دیا...

اے اللہ کے بندے میں اسے دودھ نہیں پلاتی یہ اس لئے رو رہا ہے... اور تم اسے دودھ کیوں نہیں پلاتیں... عورت بولی...

امیر المومنین کا حکم ہے کہ شیر خوار بچے کو وظیفہ نہ دیا جائے... اس بچے کی عمر کتنی ہے... کیا اس کی دودھ چھڑانے کی مدت ہو گئی ہے... عورت نے جواب میں کہا...

نہیں: ابھی اس کی عمر اتنی نہیں ہوئی لیکن میں چاہتی ہوں... اس کا دودھ چھڑا دوں

تا کہ اس کا وظیفہ لگ جائے... اب آپ نے فرمایا...

اللہ تم پر رحم فرمائے... اس کا دودھ چھڑانے میں اتنی جلدی نہ کر...

یہ فرمانے کے بعد آپ لوٹ گئے... عورت آپ کو پہچان نہیں سکی تھی... آپ نے فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو خطبہ دیا اور خطبہ دیتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے... آپ فرما رہے تھے...

اے لوگو! عمر پر افسوس ہے... نہ جانے کتنے مسلمان بچوں کا خون اس کی گردن پر ہے... اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو... میں ہر مسلمان بچے کا وظیفہ مقرر کرتا ہوں...

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہر پیدا ہونے والے بچے کا وظیفہ سو درہم مقرر کر دیا... جب اس میں ذرا شعور آجاتا تو یہ وظیفہ دو سو درہم کر دیتے... بالغ ہونے پر وظیفے میں اور اضافہ ہو جاتا... کوئی لاوارث بچہ لایا جاتا تو اس کا بھی وظیفہ مقرر کیا جاتا... اس کے سرپرست کو الگ رقم ملتی... بچے کے دودھ اور دوسری چیزوں کے اخراجات بیت المال سے دیئے جاتے تھے... ہر سال وظیفے میں اضافہ بھی کیا جاتا تھا...

☆☆☆☆
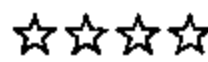
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی فتح کیلئے تشریف لے جانے والے تھے... اس کی تیاریاں ہو رہی تھیں... آپ کے سامنے ایک بچے کو پیش کیا گیا... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا... حضور اس بچے کی جہاد میں حصہ لینے کی بہت خواہش ہے... آپ اسے اجازت دے دیجئے...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو کم عمر تھے... لیکن ان کے شوق اور جذبے کی وجہ سے اجازت دے دی...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک تلوار بھی عنایت فرمائی... انہوں نے تلوار گلے میں لٹکالی... اب تلوار بڑی تھی اور ان کا قد چھوٹا تھا... اس لئے وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی... انہوں نے اسی حالت میں جہاد میں شرکت کی... بچے تھے اور تھے بھی غلام... اس لئے مال غنیمت میں پورا حصہ تو نہیں ملا... البتہ کچھ سامان انہیں دیا گیا... ان کا نام حضرت عمیر رضی اللہ عنہ تھا...

☆☆☆☆
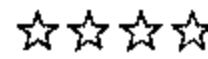
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ کسی لڑائی کیلئے تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ سے باہر لشکر کا معائنہ فرماتے تھے... مجاہدین کی ضروریات اور دوسری چیزوں کا جائزہ لیتے... کم عمر بچے لشکر میں شامل ہو جاتے تو انہیں واپس بھیج دیتے...

احد کی لڑائی کیلئے تشریف لے جانے لگے تو معمول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا جائزہ لیا جو نو عمر لڑکے نظر آئے... انہیں واپس چلے جانے کا حکم فرمایا... ان میں یہ حضرات شامل تھے...

عبداللہ بن عمر... زید بن ثابت... اسامہ بن زید... زید بن ارقم... ہرا بن عازب... عمرو بن حزم... اسید بن ظہیر... عرابہ بن اوس... ابوسعید خدری... سمرہ بن جندب... رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم... ان حضرات کی عمریں اس وقت تقریباً تیرہ چودہ برس کی تھیں جب انہیں واپسی کا حکم ہوا تو حضرت خدیج رضی اللہ عنہ نے عرض کیا...

اے اللہ کے رسول: یہ لڑکا تیر چلانے میں بہت اچھا ہے تو حضرت رافع بھی اس وقت پنجوں کے بل اوپر اٹھ کر کھڑے ہو گئے تاکہ کچھ بڑے نظر آسکیں... آپ نے ان کا جذبہ دیکھ کر اجازت فرما دی... اس پر حضرت سمرہ بن جندب نے اپنے سوتیلے باپ مرہ بن سنان سے کہا...

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رافع کو تو اجازت دے دی اور مجھے نہیں دی... حالانکہ میں رافع سے طاقتور ہوں... اگر میرا اور اس کا مقابلہ ہو تو میں اس کو پچھاڑ لوں گا...

حضرت سمرہ کے والد نے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی... آپ نے دونوں کا مقابلہ کرایا تو سمرہ رضی اللہ عنہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو واقعی پچھاڑ دیا... اس پر آپ نے انہیں بھی اجازت دے دی...

اس کے بعد اور بچوں نے بھی ایسی کوشش کی اور کچھ کو اجازت مل گئی... اس کارروائی میں رات ہو گئی... آپ نے لشکر کی حفاظت کا انتظام فرمایا... پچاس کے نام مقرر فرمائے اس کے بعد آپ نے فرمایا...

ہماری حفاظت کون کرے گا... ایک صاحب اٹھے اور بولے... اے اللہ کے رسول! میں کروں گا... آپ نے پوچھا...

تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا ذکوان... آپ نے فرمایا... اچھا بیٹھ جاؤ... آپ نے پھر فرمایا...

ہماری حفاظت کون کرے گا... ایک صاحب اٹھے اور بولے...

میں کروں گا... تو آپ نے پوچھا... تمہارا نام کیا ہے...

انہوں نے کہا... ابوسبع (سبع کا باپ) آپ نے فرمایا...

بیٹھ جاؤ... تیسری مرتبہ پھر آپ نے پوچھا ہماری حفاظت کون کرے گا...

ایک صاحب نے کہا... میں کروں گا...

آپ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے...

انہوں نے کہا... ابن عبدالقیس (عبد قیس کا بیٹا)

آپ نے ارشاد فرمایا... اچھا بیٹھ جاؤ...

کچھ دیر بعد آپ نے ارشاد فرمایا...

تینوں آجائیں... اس پر صرف ایک صاحب حاضر ہوئے آپ نے پوچھا تمہارے دو ساتھی نہیں آئے... انہوں نے عرض کیا حضور تینوں مرتبہ میں ہی بولا تھا...

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا... ٹھیک ہے تم پہرہ دینا...

وہ رات بھر پہرہ دیتے رہے...

☆☆☆☆

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے احد کی لڑائی میں جانے کیلئے اجازت مانگی اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی... باپ نے بھی اجازت دینے کے بعد سفارش کی اور عرض کیا...

حضور! اس کے اعضا طاقت ور ہیں ہڈیاں مضبوط ہیں... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دو تین بار دیکھا پھر فرمایا... نہیں ابھی یہ کم عمر ہے...

اس طرح انہیں اجازت نہ ملی... احد کی لڑائی میں ان کے والد شہید ہو گئے... باپ کی شہادت کے بعد آپ کے پاس آئے مال بھی نہیں تھا فرماتے ہیں میں .... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا... آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا...

جو صبر مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا فرماتے ہیں... جو اللہ تعالیٰ سے پاکبازی مانگتا ہے... اللہ تعالیٰ اسے پاک بازی عطا فرما دیتے ہیں اور جو مال مانگتا ہے... اللہ تعالیٰ اسے مال عطا فرماتے ہیں...

آپ نے یہ باتیں سنیں تو بغیر کچھ مانگے ہی واپس لوٹ آئے... کم عمر تھے... باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا ضرورت مند تھے... لیکن کوئی سوال کئے بغیر لوٹ آئے... اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کو بہت بڑا مرتبہ عطا فرمایا... آپ کو بہت علم عطا فرمایا...

☆☆☆☆
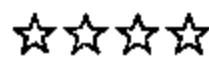
مدینہ منورہ کے چار پانچ میل کے فاصلے پر ایک چراگاہ تھی... اس کا نام غابہ تھا... وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ چرا کرتے تھے... کچھ کافر لوگ آئے اور ان اونٹوں کو لے اڑے... ان کا سردار عبدالرحمٰن فزاری تھا... چراگاہ میں جو صاحب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹوں کو چراتے تھے انہیں ان ڈاکوؤں نے قتل کر دیا...

یہ ڈاکو گھوڑوں پر سوار تھے... ہتھیار لگائے ہوئے تھے... ایسے میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے انہیں اونٹوں کو لے جاتے ہوئے دیکھ لیا... یہ پیدل تھے اور تیر کمان بھی لیکر چراگاہ کی طرف نکل آئے... انہیں تیر اندازی کا بہت شوق تھا... اس لئے اس وقت بھی تیر کمان ان کے پاس تھے...

سلمہ بن اکوع دوڑنے میں بہت تیز تھے... یہاں تک کہ دوڑتے گھوڑے کو پکڑ لیتے تھے... جبکہ گھوڑا انہیں نہیں پکڑ سکتا تھا... مطلب یہ کہ گھوڑے سے زیادہ تیز دوڑتے تھے... انہوں نے یہ خوفناک صورتحال دیکھ کر فوراً ایک پہاڑی پر چڑھ کر اپنا منہ مدینہ منورہ کی طرف کیا اور بلند آواز میں پکارے...

لوگو! دوڑو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ ڈاکو اڑائے لئے جا رہے ہیں...

یہ کہتے ہی آپ نے ان ڈاکوؤں کی طرف دوڑنا شروع کر دیا... اس قدر دوڑے کہ ان کے نزدیک پہنچ گئے... اب انہوں نے کمان کندھے پر اٹھالی اس میں تیر چڑھایا اور ڈاکوؤں کی طرف پھینکا... آپ دوڑتے جاتے تھے اور تیر چلاتے جاتے تھے...

اس طرح انہوں نے کئی گھوڑوں کو زخمی کر دیا... یہ اس قدر تیزی سے تیر چلا رہے تھے کہ ڈاکو سمجھے کہ تیر چلانے والے کئی ہیں... ان میں کوئی پیچھے مڑ کر تیر چلانے والوں کو دیکھنا چاہتا تو یہ فوراً کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتے...

غرض وہ بھاگتے رہے اور یہ ان کا پیچھا کرتے رہے... یہاں تک کہ جتنے اونٹ انہوں نے چرائے تھے وہ پیچھے رہ گئے... سلمہ بن اکوع ان میں آگے ہو گئے... ڈاکو اپنا سامان بھی گراتے چلے جا رہے تھے... ان چیزوں میں بہت سے برچھے اور چادریں بھی تھیں...

اتنے میں عیینہ بن حصن کی ایک جماعت ڈاکوؤں کے پاس پہنچ گئی... یہ ان ڈاکوؤں کے ساتھی تھے... اس طرح ان لوگوں کو طاقت حاصل ہوگئی... انہیں معلوم ہو گیا کہ ایک اکیلا لڑکا اس وقت تک ان کا پیچھا کرتا رہا ہے اور یہ ساری کارروائی اس کی ہے... اب انہوں نے مل کر سلمہ بن اکوع کو گھیرنے کی کوشش شروع کی... یہ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے... وہ لوگ بھی پہاڑی پر آگئے... جب ان کے نزدیک پہنچ گئے تو یہ بولے...

ذرا ٹھہرو! پہلے میری ایک بات سن لو... تم مجھے جانتے بھی ہو... میں کون ہوں...

وہ بولے... بتا تو کون ہے... وہ بولے...

میں ابن اکوع ہوں اور اس ذات پاک کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت دی... تم میں سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور میں تم میں سے جسے چاہوں پکڑ سکتا ہوں...

اصل میں حضرت سلمہ بن اکوع ان لوگوں کو باتوں میں لگائے رکھنا چاہتے تھے... تاکہ مدد آجاتے... مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے یہ اعلان تو کر ہی آئے تھے اور انہیں پوری امید تھی کہ مدد آجائے گی... چنانچہ انہوں نے ان لوگوں کو ادھر ادھر کی باتوں میں لگائے رکھا... ساتھ ہی مدینہ منورہ کی طرف بھی دیکھتے جا رہے تھے... آخر اس طرف سے کچھ لوگ گھوڑوں پر سوار آتے نظر آئے... ان میں سب سے آگے اخرم اسدی رضی اللہ عنہ تھے...

انہوں نے آتے ہی عبدالرحمٰن فزاری پر حملہ کر دیا... اور اس نے اخرم اسدی کے گھوڑے پر وار کیا اور اس کا پاؤں کاٹ دیا... اس پر گھوڑا گرا... اخرم اسدی رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے سے گر پڑے... اس حالت میں عبدالرحمٰن فزاری نے انہیں شہید کر دیا... ان کے

پیچھے ہی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے... انہوں نے عبدالرحمٰن پر حملہ کردیا... اس نے اب پھر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر وار کیا... ابوقتادہ گھوڑے سے گر پڑے لیکن گرتے ہی سنبھل گئے اور عبدالرحمٰن پر وار کیا... وہ جہنم رسید ہوگیا...

جب اخرم اسدی نزدیک آ گئے تھے تو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے انہیں روکا بھی تھا کہ ابھی حملہ نہ کریں... ساتھیوں کو آنے دیں... لیکن وہ نہ رکے اور اب یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے...

مجھے شہید ہونے دو...

اس کے بعد مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت وہاں پہنچ گئی اور ان ڈاکوؤں پر حملہ آور ہوئے... ڈاکوؤں کے بہت سے ساتھی مارے گئے... باقی خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے...

صبح یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے... آپ کو ساری روداد سنائی گئی... اس وقت حضرت سلمہ بن اکوع نے درخواست کی... آپ سو آدمی میرے ساتھ کردیں ابھی ان کا پیچھا کروں گا... جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا...

نہیں اب وہ لوگ اپنے لوگوں پر چلے گئے ہیں... تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ اس وقت حضرت سلمہ بن اکوع کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی... یہ ان کا حیرت انگیز کارنامہ تھا... ڈاکوؤں سے لوٹا ہوا سامان بھی واپس لے لیا اور ان کا بہت سا سامان بھی ہاتھ لگا...

دراصل یہ اخلاص کی برکت تھی...

☆☆☆☆

عمرو بن سلمہ ابھی بچے تھے... ان کا گھر مدینہ طیبہ سے باہر تھا... مدینہ منورہ میں آنے جانے والے لوگ ان کے گھر کے پاس سے گزرتے تو ان کے گھر والے ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں پوچھتے... وہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی کیا خبر ہے... وہ انہیں بتاتے...

وہ کہتے ہیں مجھ پر وحی آتی ہے... یہ یہ آیات نازل ہوئی ہیں... حضرت عمرو بن سلمہ کہتے ہیں...

جو وہ بیان کرتے میں اسے یاد کر لیتا...اس طرح مسلمان ہونے سے پہلے ہی مجھے بہت سا قرآن یاد ہو گیا...عرب کے سب لوگ مسلمان ہونے کیلئے مکہ والوں کا انتظار کر رہے تھے... جب مکہ فتح ہو گیا تو گروہ در گروہ اسلام قبول کرنے کیلئے آنے لگے... میرے والد بھی اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ ساری قوم کی طرف سے قاصد بن کر آئے...آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے...آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں شریعت کے احکامات بتا کر نماز سکھائی...جماعت کا طریقہ بتایا پھر ارشاد فرمایا...

تم میں سے سب سے زیادہ قرآن جسے یاد ہو...وہ امامت کرنے کیلئے افضل ہے...اب چونکہ میں لوگوں سے آیات سن سن کر یاد کرتا رہتا تھا...اس لئے سب سے زیادہ قرآن مجھے یاد تھا... سب سے قرآن سنا گیا تو قرآن مجھ سے زیادہ کسی کو یاد نہیں تھا...لہٰذا انہوں نے مجھے ہی امام بنا لیا اور میری عمر اس وقت چھ سال تھی...اسی طرح جب کوئی جنازہ ہو جاتا تو مجھے ہی امام بنایا جاتا...

یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ اتنی سی عمر کے بچے کو امام نہیں بنایا جاتا...اس وقت صورت حال اور تھی اور یہ ایک مجبوری تھی اور نہ آپ نے دراصل ان بڑی عمر کے لوگوں سے یہ فرمایا تھا کہ تم میں سے جسے قرآن زیادہ یاد ہو...وہ امامت کرائے...

☆☆☆☆
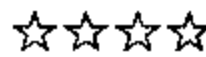
ایک قافلہ چلا جا رہا تھا...اچانک اس پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا...قافلے کو لوٹ لیا اور کچھ لوگوں کو پکڑ کر لے گئے...تاکہ انہیں غلام بنا سکیں...ان میں ایک بچہ زید نام بھی تھا... اس زمانہ میں غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی... جب ڈاکو کے حصے میں زید نامی لڑکا آیا تھا...وہ اسے فروخت کرنے کیلئے مکے کے بازار میں لے آئے...حکیم بن حزام نامی شخص نے اس بچے کو خرید لیا اور اپنی پھوپھی کو دے دیا...

اس بچے کا پورا نام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہے...حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی پھوپھی کا نام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہے اور یہ باتیں ہیں اسلام سے پہلے کی...

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زید کو آپ کی خدمت کیلئے وقف کر دیا...اس طرح

حضرت زید آپ کی خدمت میں رہنے لگے...

زید کے باپ کو ان کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا... وہ ان کی جدائی میں دیوانہ ہو رہے تھے اور اشعار پڑھتے رہتے تھے... سارا دن روتے رہتے تھے... اتفاق کی بات کہ ان کی قوم کے کچھ لوگ مکہ آئے... انہوں نے زید کو دیکھا تو پہچان لیا... انہیں بتایا کہ ان کی جدائی میں ان کے باپ کا کیا حال ہے حضرت زید نے ایک کاغذ پر اپنا حال لکھ کر انہیں دے دیا... اس میں انہوں نے لکھا تھا...

میں مکہ مکرمہ میں ہوں... نہایت شریف اور کریم لوگوں کی غلامی میں ہوں... بالکل راحت اور آرام سے ہوں...

یہ لوگ واپس گئے تو زید کا خط ان کے باپ کو دیا اس نے فوراً اپنے بھائی کو ساتھ لیا اور مکہ پہنچا تلاش کرتے کرتے آخر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے... انہوں نے کہا اے ہاشم کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار! آپ ارض حرم کے رہنے والے ہیں... مہمان نواز اور غریب پرور ہیں... بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں... قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں... اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں... ہم اپنے بچے کیلئے آپ کے پاس آئے ہیں... ہم پر احسان کریں اور فدیہ لے کر اسے رہا کر دیں...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا... بات کیا ہے...

انہوں نے ساری بات بتائی تو آپ نے فرمایا...

بس اتنی سی بات کیلئے منت سماجت کر رہے ہو... یہ تو کوئی بات ہی نہیں زید کو بلاتا ہوں... تم اس سے پوچھ لو... وہ جانا چاہے تو بغیر فدیے کے اسے لے جاؤ... اگر وہ نہ جانا چاہے تو پھر میں اسے زبردستی نہیں بھیجوں گا...

آپکی بات سن کر دونوں بھائی بہت خوش ہوئے اور بولے آپ کا بہت بہت شکریہ ہے...

اب حضرت زید کو بلایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا زید انہیں پہچانتے ہو... وہ بولے...

جی ہاں یہ میرے والد ہیں اور یہ چچا ہیں... اب آپ نے فرمایا...

میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے... اب تمہیں اختیار ہے... ان کے ساتھ چلے جاؤ یا میرے پاس رہو...

یہ سنتے ہی حضرت زید بول اٹھے...

حضور! میں آپ کو چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں یہ کیسے ہوسکتا ہے...

میں تو یہیں رہوں گا... باپ اور چچا یہ جواب سن کر حیرت زدہ رہ گئے کہنے لگے...

زید تم آزادی کے مقابلے میں غلامی کو پسند کرو گے اپنوں کو چھوڑ کر غیروں میں رہنا چاہتے ہو...

حضرت یہ بات سن کر ہنس پڑے اور بولے...

جی ہاں ان کی غلامی پر ہی ہزار ہا آزادی سے بہتر سمجھتا ہوں اور یہ ایسے غیر ہیں کہ ان پر ہزار اپنے قربان کرسکتا ہوں... اب میرے باپ بھی اور ماں بھی یہی ہیں...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے... انہیں اپنی گود میں بٹھا لیا اور فرمایا میں نے تمہیں اپنا بیٹا بنا لیا...

باپ اور چچا یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور خوشی خوشی انہیں چھوڑ کر چلے گئے...

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں شامل ہیں... غزوہ موتہ میں شہید ہوئے... حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ انہی کے بیٹے ہیں... غزوہ موتہ کا بدلہ لینے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو لشکر روانہ فرمایا... حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا تھا...

اس لشکر میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے لیکن ان پر سپہ سالار آپ نے حضرت اسامہ کو مقرر فرمایا تھا اور اس لشکر کو روانہ کرنے کے کچھ ہی دیر بعد آپ نے انتقال فرمایا تھا... لشکر ابھی مدینہ منورہ سے باہر ہی نکلا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی اطلاع پہنچی... لہٰذا حضرت اسامہ واپس لوٹ آئے...

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلے اسی لشکر کو روانہ فرمایا...

☆☆☆☆

انہوں نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا...سنو! میرے بیٹو! تمہیں معلوم ہے...اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے کافروں سے جہاد کرنے میں کیسے کیسے ثواب اور برکتیں رکھی ہیں...دنیا کی فانی زندگی سے آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی ہزار درجے بہتر ہے...اس لئے جب تم کل جنگ میں شریک ہوتو اللہ سے مدد مانگتے رہو...دین کے دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ اور جب جنگ خوب زوروں پر شروع ہو جائے...تلواریں چمکنے لگیں تو اپنے دلوں کو مضبوط رکھو اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرو...ان شاء اللہ تمہیں جنت میں عزت اور کرام کے ساتھ بہشت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے داخل کر دیا جائے گا...

یہ الفاظ صحابیہ رسول حضرت خنسار ضی اللہ عنہا نے اپنے چاروں بیٹوں سے کہے...

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور تھا...قادسیہ کی لڑائی کیلئے اسلامی لشکر کو بھیجا جارہا تھا...اسی سلسلے میں حضرت خنسار ضی اللہ عنہا نے اپنے بچوں کو یہ نصیحت کی آپ خود بھی اس جنگ میں شریک ہوئیں...

دوسرے دن جب لڑائی شروع ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا تو اپنی والدہ کے حکم کے مطابق ایک ایک بیٹا آگے بڑھتا گیا اور شہید ہوتا گیا... یہاں تک کہ چاروں نے جام شہادت پی لیا...

اس پر حضرت خنسار ضی اللہ عنہا نے فرمایا...

اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے شہیدوں کی ماں بنایا...یہ عزت اور شرف مجھے عطا فرمایا مجھے اللہ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ ان شہیدوں کے ساتھ میں بھی اس کی رحمت کے سائے میں رہوں گی...

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے والد ان کے بچپن میں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئے...آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیار سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا...اس ہاتھ کے پھیرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ برکت عطا فرمائی کہ کسی کے منہ میں ورم آجاتا یا کسی بکری کے تھن میں ورم آجاتا تو ورم کی جگہ کو حضرت حنظلہ کے سر سے لگا دیا جاتا...ورم فوراً ختم ہو جاتا...

حج کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بچے کو لایا گیا...وہ بچہ اسی روز پیدا ہوا تھا...آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا میں کون ہوں...

ایک دن کا بچہ فوراً بول پڑا... آپ اللہ کے پیغمبر ہیں...

آپ نے ارشاد فرمایا...

تم نے سچ کہا اللہ تجھے برکت دے...

اس نے کہا وہ بچہ اس وقت بولا جب اس کی بولنے کی عمر ہوگئی... لوگ اس بچے کو مبارک الیمامہ کہنے لگے تھے...

☆☆☆☆

ایک صحابی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تو اپنے بچے کو بھی لے آئے وہ چھوٹا سا بچہ آپ کے سامنے آکر بیٹھ جاتا... ایک دن وہ صحابی نہ آئے... آپ نے حاضرین سے پوچھا...

فلاں شخص نظر نہیں آرہا...

کسی نے بتایا...

اللہ کے رسول اس کا وہ بچہ فوت ہوگیا ہے جو آپ کے سامنے آکر بیٹھ جاتا تھا... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعزیت کیلئے اس کے گھر تشریف لے گئے... اس سے ملاقات کی اور فرمایا...

تمہیں کون سی بات پسند ہے...

اپنی دنیاوی زندگی میں نفع اٹھانا چاہتے ہو یا یہ چاہتے ہو کہ جب تم جنت کے دروازے پر پہنچو تو اسے وہاں پاؤ وہ تجھ سے پہلے وہاں موجود ہو اور تمہارے لئے جنت کا دروازہ کھولے...

یہ سن کر صحابی نے عرض کیا...

اے اللہ کے رسول! مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ مجھ سے پہلے جنت کے دروازے پر پہنچے اور اسے کھولے...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...

پھر تمہارے لئے ایسا ہی ہوگا...

☆☆☆☆

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن... حضرت حسین... حضرت عبداللہ بن زبیر... حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کو بچپن ہی میں بیعت فرمالیا تھا... ابھی یہ لوگ بالغ نہیں ہوئے تھے...

حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت سات سال کی تھی... ان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کم عمر میں کسی کو بیعت نہیں فرمایا...

☆☆☆☆
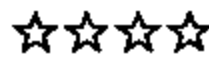
حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اور لوگ 5 ہجری میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے گھر سے نکلے... ہم غزوہ خندق میں شرکت کیلئے روانہ ہوئے تھے... میرے ساتھ میرا بھائی فضل رضی اللہ عنہ اور ہمارے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ تھے...

عرج کے مقام پر پہنچ کر ہم راستہ بھول گئے اور دکوبہ گھاٹی کے بجائے ہم جثجاثہ پہنچ گئے... پھر وہاں قبیلہ بنوعمرو بن عوف کی طرف آ نکلے... آخر مدینہ پہنچ گئے اور ہم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خندق میں پایا...

اس وقت میری عمر آٹھ سال اور میرے بھائی کی عمر تیرہ سال تھی... یعنی اس عمر میں بھی جہاد کا شوق تھا...

☆☆☆☆

فارس میں آگ کو پوجنے والا ایک شخص رہتا تھا... اس کا نام بوذخ شان تھا... وہ ایک بہت بڑا زمیندار تھا... ایران کے دربار میں بھی اس کا آنا جانا تھا اور وہ وہاں عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا... اس کا ایک چھوٹا سا بیٹا تھا اس کا نام مابہ تھا... اسے اپنے بیٹے سے بہت محبت تھی... اس نے مابہ کی پرورش بڑے ناز ونعمت سے کی تھی... ماں باپ کے لاڈ پیار سے اس بچے کی عادت بگڑی نہیں تھیں بلکہ وہ بہت سعادت مند تھا... وہ بہت سنجیدہ اور خاموش طبیعت لڑکا تھا... وہ اپنے ہم عمر لڑکوں سے کھیلنے کی بجائے آتش کدوں میں آگ جلانے میں مصروف رہتا تھا... آگ کو پوجنے والے آگ ہر وقت جلائے رکھتے تھے... اسے بجھنے نہیں دیتے...

ایک دن بوذخ شان نے اپنے بیٹے مابہ سے کہا...

بیٹے: میں آج ضروری کام کی وجہ سے کھیتوں پر نہیں جا سکوں گا...اس لئے کھیتوں کی دیکھ بھال آج تمہارے سپرد ہے...

مابہ نے باپ کا حکم سنا تو فوراً کھیتوں کی طرف چل پڑا...راستے میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا...عیسائی اس وقت گرجے میں اپنی عبادت کر رہے تھے...بلند آواز سے مناجات پڑھ رہے تھے...مابہ ان کی آواز سن کر گرجے میں داخل ہو گیا...اس نے عیسائیوں کی عبادت کا طریقہ دیکھا تو اسے بہت اچھا لگا...وہ گرجے کے پادری سے ملا اس نے اپنے بارے میں بتایا اور پھر بولا...

مجھے آپ کا دین بہت پسند آیا ہے آج سے میں آتش پرستی چھوڑتا ہوں اور تمہارے دین میں داخل ہوتا ہوں...

پادری یہ سن کر بہت خوش ہوا...انہوں نے اس وقت اپنے طریقے کے مطابق مابہ کو اپنے دین میں داخل کر لیا...مابہ کے دل میں حق کی تڑپ تھی...اس نے پادری سے پوچھا... آپ لوگوں کا مرکز کہاں ہے...

پادری نے جواب دیا...ملک شام میں...

مابہ نے یہ بات ذہن نشین کر لی...شام تک گرجے میں رہا...سورج غروب ہونے کے بعد گھر لوٹا باپ نے پوچھا...

کھیتوں کو دیکھ آئے...مابہ نے جواب دیا...

نہیں راستہ میں ایک گرجا تھا وہاں کچھ لوگ عبادت کر رہے تھے مجھے ان لوگوں کا عبادت کرنے کا طریقہ بہت پسند آیا...میں تمام دن انہی لوگوں کے پاس رہا...بوذخ شان کو بیٹے پر بے تحاشا غصہ آیا...اس نے جھلا کر کہا...

ان لوگوں کا مذہب بالکل واہیات ہے ہمارا مذہب بہت پاک ہے...آج تم پر گھر سے باہر نکلنا بند...

یہ کہہ کر اس نے مابہ کے پیروں میں زنجیریں ڈال دیں اور اسے کمرہ میں قید کر دیا...

اب وہ بہت حوصلے سے قید کے دن کاٹنے لگا...ایک دن اس نے کسی طرح پادری کو پیغام

بھیجا...اس نے اسے لکھا مجھے باپ نے قید میں ڈال دیا...کوئی قافلہ شام جارہا ہو تو مجھے اطلاع دیں...میں یہاں سے نکل کر اس قافلے میں شامل ہو جاؤں گا...

کچھ دن بعد شام سے ایک قافلہ تجارت کی غرض سے وہاں آیا...جب وہ واپس جانے لگا تو پادری نے مابہ کو اطلاع دے دی...مابہ رات بھر زنجیروں سے آزاد ہونے کیلئے زور لگاتا رہا...آج صبح ہونے سے پہلے اس نے اپنے پیر زنجیروں سے نکال لئے اور گھر سے نکل کر اس قافلے میں شامل ہو گیا...شام پہنچ کر اس نے شہر کے سب سے بڑے پادری کا پتہ پوچھا...اس سے ملا اور اپنے بارے میں بتانے کے بعد بولا...

میں دین عیسوی کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اسی غرض سے فارس سے یہاں آیا ہوں... پادری کا نام اسقف تھا...اس نے مابہ کی درخواست قبول کر لی...لیکن یہ پادری ریا کار تھا... بد دیانت تھا... مال و دولت جمع کرنے کے چکر میں رہتا تھا...اس نے سونے چاندی کے سات مٹکے بھر رکھے تھے... مابہ جب اس کے ساتھ رہنے لگا تو اسے اس کے بارے میں یہ سب باتیں معلوم ہو گئیں...وہ دل ہی دل میں کڑھنے گیا...لیکن کچھ کر نہیں سکتا تھا...لوگوں کو اس کی مکاریوں کا پتہ نہیں تھا...وہ تو اس کی بہت عزت کرتے تھے...

آخر اس کے مرنے کا وقت آ گیا...اس کے مرنے پر سب لوگ جمع ہوئے تو اس وقت مابہ نے ان سب کو اس کا سارا حال سنا دیا اور مٹکے ان کے سامنے رکھے لوگ غصے میں بھر گئے... انہوں نے اس کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا اور اس پر خوب پتھر برسائے...اب انہوں نے اس کی جگہ ایک نیک پادری کو مقرر کیا...یہ شخص بہت نیک فطرت تھا...مابہ کو اس سے بہت عقیدت ہو گئی... وہ دل و جان سے اس کی خدمت پر لگا رہا... پادری کو بھی اس سے انس ہو گیا...وہ اس کا بہت خیال رکھتا تھا...آخر اس کا بھی آخری وقت آ گیا...اس نے مابہ کو اپنے قریب بلایا اور کہا...

مابہ میرے مرنے کے بعد تم موصل چلے جانا وہاں فلاں شخص سے ملنا وہ سچا پادری ہے...وہی تمہیں سیدھا راستہ بتائے گا...

مابہ اس پادری کی وصیت کے مطابق موصل پہنچا...اس پادری تک پہنچا اور اس کے پاس رہنے لگا...عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کرنے لگا... یہاں تک کہ اس کی بھی موت کا

وقت آ گیا...مرتے وقت اس نے کہا...

اے بیٹے مجھے دفن کر کے فلاں شخص کے پاس نصیبین چلے جانا میرے علم کے مطابق اب وہی شخص تمہیں دین حق پر چلائے گا...دوسرے لوگوں نے دین کو بدل ڈالا ہے اور گمراہ ہو گئے ہیں...

مابہ حق کی تلاش میں نصیبین پہنچا...وہاں کے پادری سے ملا اس کے پاس رہنے لگا ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اس پادری کا بھی وقت آ گیا...وہ واقعی درست آدمی تھا اس نے مابہ سے کہا...

بیٹے! جس نور حق کے تم متلاشی ہیں وہ تمہیں عموریہ میں فلاں شخص کے پاس ملے گا... میرے مرنے کے بعد تم سیدھے اس کے پاس چلے جانا...اس پادری کے کفن دفن کے بعد مابہ سیدھا عموریہ پہنچا...اب اس نے وہاں کے پادری کی خدمت شروع کر دی...وہ بھی ایک پاک باز پادری تھا...اللہ نے اسے علم عطا فرمایا تھا...مابہ نے اس کی صحبت سے خوب فائدہ اٹھایا اور وہ دین مسیحی کا سچا پیروکار بن گیا... کچھ مدت بعد عموریہ کا یہ پادری بھی دنیا سے رخصت ہونے لگا جب وہ دم توڑ رہا تھا تو مابہ نے اس سے کہا...

میں سیکڑوں میل کا سفر کر کے بہت مشکل سے یہاں تک پہنچا تھا...کتنے علاقوں کی خاک چھانی ہے...تب کہیں جا کر یہاں آیا تھا...اب آپ بھی میرا ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہیں...آخر اب میں کہاں جاؤں گا...عموریہ کے پادری نے اکھڑتی سانسوں کے ساتھ جواب دیا...

تم حق کی تلاش میں نکلے ہو...میرے بیٹے! اس وقت ساری دنیا گناہوں کے سمندر میں غرق ہے...چاروں طرف کفر کی آندھی چل رہی ہے...اس دنیا میں مجھے کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جس کے پاس تمہیں بھیجوں...البتہ اب اس آخری نبی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے جو صحراء عرب سے اٹھ کر اللہ کے دین کو زندہ کرے گا اور اس سرزمین کی طرف ہجرت کرے گا جس پر کھجور کے درختوں کی کثرت ہوگی...اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی...وہ صدقے کو اپنے لئے حرام سمجھے گا اور ہدیئے کو قبول کرے گا...اگر تم اس پاک نبی کا زمانہ پاؤ تو اس کی خدمت میں ضرور جانا...

یہ کہہ کر پادری نے آخری ہچکی لی اور اپنے مالک سے جا ملا...اب مابہ نبی آخر

الزمان کی تلاش میں نکلا... آخر ایک دن قبیلہ بنو کلب کا ایک قافلہ عموریہ سے گزرا... ماہبہ کو پتہ چلا کہ اس قافلے کو عرب جانا ہے... یہ بات معلوم ہوتے ہی وہ فوراً قافلے کے سردار کے پاس پہنچا... اس نے سردار سے کہا...

آپ میرے مویشی لے لیں... اس کے بدلے میں مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلیں... قافلے کا سردار اس بات پر رضا مند ہوگیا... اس نے ماہبہ کی گائیں اور بکریاں اپنے قبضے میں لے لیں اور اسے ساتھ لے لیا...

یہ قافلہ جب وادی قریٰ میں پہنچا تو قافلے کے سردار کی نیت خراب ہوگئی... اس نے ماہبہ کو ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا... ماہبہ اب اس یہودی کے کام کرنے لگا... ایک دن اس یہودی سے ایک اور یہودی ملنے کیلئے آیا... یہ دوسرا یہودی یثرب کا رہنے والا تھا... اسے ایک غلام کی ضرورت تھی... اس نے اپنی ضرورت کا ذکر اس سے کیا تو اس نے ماہبہ کو اس کے ہاتھ بیچ دیا... یہ شخص ماہبہ کو اپنے ساتھ یثرب لے آیا... اسے یہاں ہر طرف کھجوروں کے درخت ہی درخت نظر آئے تو اسے یقین ہوگیا کہ عموریہ کے پادری نے جس آخر الزمان نبی کا ذکر کیا تھا... وہ ضرور ہجرت کر کے اسی سرزمین میں آئیں گے...

اب ماہبہ بہت بے تابی سے آخر الزمان نبی کا انتظار کرنے لگا... آخر اس کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں... وہ اپنے یہودی آقا کے باغ میں کھجور کے درخت پر چڑھا کھجوریں توڑ رہا تھا کہ یہودی اسی درخت کے نیچے آبیٹھا... ایسے میں ایک یہودی شہر کی طرف سے بھاگتا ہوا آیا اور وہ اس یہودی سے کہنے لگا...

خدا یثرب کے لوگوں کو غارت کرے... سب کے سب ایک شخص کی طرف بھاگے جا رہے ہیں... وہ مکے سے آیا ہے اپنے آپ کو نبی کہتا ہے... ان لوگوں نے اس کے دعوے کو مان لیا ہے... ان کے بچے اور عورتیں تک اس کا رخ کر رہے ہیں...

یہ باتیں سنتے ہی ماہبہ کے بدن میں بجلی سی دوڑ گئی... اس کے دل نے فوراً کہا یہی ہیں وہ جن کی تلاش میں میں ہوں...

بے قرار ہوکر اس نے اوپر سے ہی چھلانگ لگائی اور آنے والے یہودی سے پوچھا تم

کیا کہہ رہے تھے ذرا پھر سے بتانا... ماہہ کا آقا اس دخل اندازی پر تاؤ میں آگیا اس نے اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا اور بولا...

کم بخت تجھے کیا...... تو جا...... اپنا کام کر...

ماہہ وہاں سے ہٹ تو گیا لیکن بے قراری تھی کہ برابر بڑھ رہی تھی... اسکا بس نہیں چل رہا تھا... ورنہ وہ اڑ کر وہاں پہنچ جاتا... آخر چند دن بعد اسے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا... اس نے کھانے کی کچھ چیزیں خریدیں اور پوچھتا پوچھتا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پہنچ کر ماہہ نے یوں عرض کیا...

اے خدا کے برگزیدہ بندے! آپ اور آپ کے ساتھی پردیسی ہیں... یہ چند چیزیں میں نے صدقے کیلئے رکھی تھیں... آپ سے بڑھ کر ان کا کون حق دار ہوگا... یہ قبول فرمائیں...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہہ سے یہ چیزیں لے کر اپنے صحابہ میں تقسیم کر دیں اور خود اس میں سے کچھ نہ کھایا... یہ دیکھ کر ماہہ نے دل میں کہا... یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ آپ نے صدقے کی چیز نہیں کھائی... دوسرے دن ماہہ پھر کچھ چیزیں خرید کر لے گیا اور بولا...

یہ ہدیہ ہے اسے قبول فرمالیں...

آپ نے یہ ہدیہ قبول فرمایا کچھ اس میں سے خود نوش فرمایا... باقی صحابہ میں تقسیم کر دیا... ماہہ کو یقین ہو گیا کہ یہی آخر الزمان نبی ہیں... لیکن ابھی تیسری علامت باقی تھی... کہ ابھی تک مہر نبوت نہیں دیکھی تھی...

چند دنوں بعد ماہہ نے سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنازہ کے ساتھ قبرستان میں تشریف لائے ہیں... یہ بھی وہاں پہنچ گیا... آپ کو ادب سے سلام کیا اور پشت کی جانب دیکھنے لگا کہ کسی وقت کمر سے کپڑا ہٹ جائے تو مہر نبوت دیکھ لے...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بے چینی بھانپ لی... آپ نے کمر مبارک سے کپڑا ہٹایا... اب مہر نبوت ماہہ کے سامنے تھی... اس نے عقیدت بھرے انداز میں اپنے کانپتے ہونٹ مہر نبوت پر رکھ دیئے اور بے اختیار رونے لگا...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا... سامنے آؤ...

ماہبہ سامنے آ گیا اب اس نے اپنے پورے سفر کی کہانی سنائی...ان کی کہانی سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم سب ان کی کہانی سنو...

اب ماہبہ نے ان سب کو اپنی درد بھری روداد سنائی...اس کے بعد وہ ایمان لے آئے... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اسلامی نام سلمان رکھا اور آپ حضرت سلمان فارسی کہلائے...اب آپ چاہتے تھے کہ دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہیں...دوسری طرف ابھی یہودی کی غلامی باقی تھی...پھر بدر اور احد کی لڑائیاں ہوئیں اور حضرت سلمان فارسی غلامی کی وجہ سے ان لڑائیوں میں شرکت نہ کر سکے...آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی آپ کی اسی مجبوری کا علم تھا ایک دن آپ نے فرمایا...

سلمان تم اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو...

سلمان تو دل سے یہ چاہتے تھے آپ نے یہودی سے معاملہ طے کیا...اس نے آزادی کی قیمت چالیس اوقیہ سونا سے تین سو کھجور کے پودے لگانے ہوں گے...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات سنی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم تو سلمان رضی اللہ عنہ کو یہودی کی غلامی سے نجات دلانے کیلئے ان کی مدد کرو...

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے خوشی سے یہ بات منظور کر لی...

سب نے مل کر پودے جمع کئے...جب تین سو پودے ہو گئے تو مل کر گڑھے کھودے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لائے اور صحابہ سے مل کر تمام پودے زمین میں لگا دیئے...اب صرف سونے والی شرط باقی تھی...چند دنوں بعد ایک غزوے میں سب سونا ہاتھ لگ گیا...آپ نے یہ سونا سلمان رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور فرمایا جاؤ...

اس یہودی کو دے دو...

آپ دوڑ کر گئے اور سونا اسے دے دیا اس طرح آپ کو غلامی سے آزادی ملی...اس روز کے بعد آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر وقت ساتھ رہنے لگے...

☆☆☆☆

ایک لڑکا بکریاں چرا رہا تھا... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے اس لڑکے پر نظر پڑی... اس وقت آپ دونوں کو پیاس لگی ہوئی تھی... حضرت ابوبکر لڑکے کے نزدیک گئے اور اس سے فرمایا...

میاں لڑکے ہمیں بہت پیاس لگی ہے... اپنی کسی بکری کا دودھ دوہ کر ہمیں پلا سکتے ہو... وہ لڑکا چھوٹے سے قد کا تھا اس کا رنگ گندمی تھا... اس کا جسم دبلا پتلا تھا... حضرت ابوبکر کی بات سن کر اس نے کہا...

صاحبو! یہ بکریاں میری نہیں ہیں... ان کا مالک عقبہ بن ابی معیط ہے... اس کی اجازت کے بغیر کسی بکری کا دودھ آپ کو دینا امانت میں خیانت ہوگی... عقبہ بن ابی معیط مکے کا مشہور مشرک تھا... لڑکے کی بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...

اچھا تو بھائی کوئی ایسی بکری ہی آگے لے آؤ جو دودھ نہ دیتی ہو... (یعنی جس نے بچے نہ دیئے ہوں)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر اس لڑکے نے کہا... ایسی بکری ہے تو سہی لیکن آپ اس کا کیا کریں گے...

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لاؤ تو سہی... چرواہے نے ایک بکری آپ کی خدمت میں پیش کی... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیر کر دعا مانگی... اللہ تعالیٰ نے آن کی آن میں اس کے تھن دودھ سے بھر دیئے...

صدیق اکبر دودھ دوہنے لگے... اس میں سے اتنا دودھ نکلا کہ تینوں نے خوب سیر ہو کر پیا اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تو بکری کے تھن خشک ہو گئے اور پہلی حالت پر آ گئے...

چرواہا یہ دیکھ کر بہت حیران تھا... اس کا دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے بھر گیا... پھر ایک دن وہ لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا

اے اللہ کے رسول مجھے بھی اپنی جماعت میں شامل کر لیں... آپ نے اس کی بات منظور کر لی... نہایت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا... تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو...

اس تعلیم یافتہ لڑکے کا نام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے اور یہ اتنے بڑے عالم بنے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا...

جسے دین کی کوئی بات پوچھنی ہو وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھے... بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہی فرمایا کرتے تھے... جب کوئی ان سے دین کی بات پوچھنے کیلئے آتا تو اسے عبداللہ بن مسعود کے پاس بھیج دیتے تھے...

☆☆☆☆

ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پینے کی کوئی چیز لایا... اس وقت آپ کے دائیں طرف ایک چھوٹی عمر کے لڑکے بیٹھے تھے... جب کہ بائیں طرف عمر رسیدہ حضرات بیٹھے تھے... آپ پہلے دائیں طرف والوں کو چیز دیا کرتے تھے... آپ نے اس سے فرمایا...

کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ میں پہلے ان حضرات کو دے دوں...

اس پر وہ لڑکا بولا نہیں بخدا نہیں... آپ سے حاصل ہونے والی متبرک چیز کے بارے میں میں ہرگز کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا... (یعنی پہلے میرا حق ہے مجھے ہی دیں)

آپ نے پہلے انہی کو وہ چیز پلائی... یہ تھے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کی بات حد درجہ دانش مندانہ تھی...

☆☆☆☆

مدینہ منورہ کے کچھ بچے کھجور کے درختوں کی جڑوں کے پاس سے کچی کھجوریں جمع کر رہے تھے... ایسی کھجوروں کو خلال کہا جاتا ہے... اچانک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ادھر آ گئے...

بچوں نے انہیں دیکھا تو ڈر گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے... ان بچوں میں سنان بن مسلمہ بھی تھے... یہ بعد میں بحرین کے گورنر مقرر ہوئے تھے... انہوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا... لیکن یہ نہ بھاگے وہیں کھڑے رہے...

اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نزدیک آ گئے... آپ سنان بن مسلمہ کی طرف بڑھے تو انہوں نے خیال کیا حضرت عمر انہیں مارنا چاہتے ہیں... لہٰذا یہ بول اٹھے...

امیر المومنین یہ اچھی کھجوریں نہیں ہیں... بلکہ یہ تو وہ ہیں جو ہوا سے جھڑ جاتی ہیں... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا.. اچھا دکھانا مجھے اگر بات یہی ہے تو دیکھنے میں ثابت ہو جائیگی...

سنان بن مسلمہ نے اپنی جھولی میں جمع کی ہوئی کھجوریں آپ کو دکھا دیں... کھجوریں دیکھ کر آپ مسکرائے اور بولے...

تم نے سچ کہا...

یہ کہہ کر آپ آگے بڑھنے لگے تو وہ بولے... امیر المومنین آپ ان لوگوں کو دیکھ رہے ہیں جو ادھر ادھر چھپ گئے ہیں... اللہ کی قسم... جب آپ چلے جائیں گے تو یہ آ کر مجھ سے لپٹ جائیں گے اور یہ سب مجھ سے چھین لیں گے... اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا...

فکر نہ کرو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں گھر تک چھوڑ آتا ہوں... سنان بن مسلمہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمانوں کے خلیفہ تھے اور اس کے باوجود انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھر تک پہنچا کر واپس ہوئے...

☆☆☆☆

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بنے تو چاروں طرف سے لوگ انہیں مبارکباد دینے کیلئے آنے لگے... ان میں حجاز کا رہنے والا ایک لڑکا بھی تھا... وہ ابھی نوعمر تھا... وہ بات کرنے لگا تو آپ نے فرمایا...

اے لڑکے اپنے بڑے کو بات کرنے دے... اس پر لڑکے نے کہا...

امیر المومنین جب اللہ تعالیٰ بندے کو بات کرنے والی زبان اور ذکر کرنے والا دل عطا کرے وہ کلام کرنے کا حق دار ہو جاتا ہے اور اے امیر المومنین اگر عمر کا لحاظ ہوتا تو اس وقت امت میں جو آپ سے بڑی عمر والے ہیں... خلافت کے حق دار ہوتے...

اس کی بات سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا...

اے لڑکے تو کیا کہنا چاہتا ہے... اس پر لڑکا بولا...

امیر المومنین ہم مبارکباد دینے کیلئے آئے ہیں... اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا کہ آپ جیسا عادل خلیفہ ہم پر مقرر کیا...

اب حضرت عمر بولے... اے لڑکے... کوئی اور بات... لڑکے نے فوراً کہا...

بہت سے بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو اللہ کے حلیم و کریم ہونے کی وجہ سے مغرور ہو گئے اور یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے... ان کے خوشامدی دربانوں نے انہیں رعایا کے حالات سے غافل رکھا... انہیں نفس کی خواہشات پوری کرنے پر لگا دیا... بے شک ایسے لوگ جلتی آگ کا ایندھن ہیں... اے امیر المومنین ہماری دعا ہے کہ آپ ایسے لوگوں میں داخل وشامل نہ ہوں بلکہ دعا ہے کہ اللہ کریم اس امت کے نیک لوگوں کے ساتھ آپ کا حشر کرے...

حضرت عمر رحمہ اللہ نے اس لڑکے کی عمر پوچھی تو معلوم ہوا کہ صرف گیارہ سال ہے... نسب پوچھا وہ لڑکا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے نکلا...

☆☆☆☆

۹ ھجری میں قبیلہ ثقیف کا وفد دربار رسالت میں حاضر ہوا...

یہ لوگ آپ علیہ السلام کی خدمت میں مناظرہ ومقابلہ کی غرض سے جاتے اسی وفد میں ایک بچہ بھی تھا جو رات دن اہل وفد کے سامان کی حفاظت پر مقرر تھا...

اس دن کا واقعہ ہے کہ رات کو اہل وفد سو گئے تو یہ بچہ چپکے چپکے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا اور خفیہ اسلام لے آیا...

اس دوران وہ باقاعدہ اسلام کی تعلیم حاصل کرتا رہا اور حسب موقع دربار رسالت حاضری دیتا رہا اور قرآن کریم کی تعلیم بھی سیکھتا رہا... دوران حاضری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محو خواب پایا تو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کر لیتا...

اسلام اور قرآن کا یہ عاشق خوش نصیب بچہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے بچپن کا واقعہ ہے... (سیرت ابن ہشام)

☆☆☆☆

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...

یہ بات نہیں بلکہ زید قرآن شریف تم سے زیادہ پڑھا ہوا ہے قرآن نے اس کو جھنڈا اٹھانے میں مقدم کر دیا... تبوک کی لڑائی میں بنو مالک کا جھنڈا حضرت عمارہ کے ہاتھ میں تھا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمارہ سے لیکر حضرت زید کو دیدیا...

حضرت عمارہ کو فکر لاحق ہوئی کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی ہوئی... دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا... یارسول اللہ! میری کوئی شکایت حضور تک پہنچی ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...

نہیں زید قرآن شریف تم سے زیادہ پڑھا ہوا ہے... قرآن نے اس کو جھنڈا اٹھانے میں مقدم کردیا ہے... یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جو چھ برس کی عمر میں یتیم ہوگئے تھے... ہجرت کے وقت ان کی عمر گیارہ برس تھی...

بدر کی لڑائی میں خود کو پیش کیا تو کم عمری کی وجہ سے اجازت نہ ملی پھر احد کی لڑائی میں شرکت کا ارادہ کیا مگر واپس کردیئے گئے...

بعض کے نزدیک اس لڑائی میں سمرہ اور رافع کو اجازت مل گئی تھی اس لئے انہیں بھی اجازت مل گئی تھی اس کے بعد ہر معرکہ حق و باطل میں شریک رہے... (اسد الغابہ)

☆☆☆☆
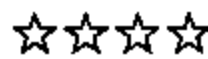
ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طہارت کیلئے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوٹا بھرا ہوا ہے... آپ نے دریافت فرمایا...

یہ کس نے رکھا ہے؟

بتایا گیا کہ ابن عباس نے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خدمت پسند آئی اور اسی وقت دعا فرمائی...

اے اللہ دین کا فہم اور کتاب اللہ (قرآن) کی سمجھ عطا فرمائیں... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا ثمرہ اور برکت تھی کہ کم عمری میں ہی مفسر ہی نہیں بلکہ امام المفسرین بن گئے...

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف تیرہ برس تھی لیکن علم میں یہ کمال حاصل تھا کہ بڑے بڑے صحابہ تفسیر قرآن میں آپ سے علم حاصل کرتے تھے...

خود فرماتے ہیں کہ مجھ سے تفسیر پوچھو... میں نے بچپن میں قرآن شریف حفظ کیا ہے... دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے دس برس کی عمر میں قرآن کی آخری منزل پڑھ لی تھی...

انہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوافل پڑھ رہے تھے...
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی نیت باندھ کر پیچھے کھڑے ہو گئے...
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں ہاتھ بڑھا کر آپ کو اپنے برابر کھڑا کر لیا کہ ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کے برابر کھڑا ہونا چاہیے... اس کے بعد حضور نماز میں مشغول رہے لیکن یہ ذرا پیچھے کو ہٹ گئے...
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد پیچھے ہٹنے کی وجہ دریافت فرمائی...
تو عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں میں آپ کے برابر کس طرح کھڑا ہو سکتا ہوں...
آپ کی یہ بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم وفہم کے زیادہ ہونے کی دعا فرمائی... (حکایات صحابہ)

☆☆☆☆

میں کم عمر بچہ تھا لوگ جو کچھ بیان کرتے تھے میں اسی وقت یاد کر لیتا... فتح مکہ کے موقع پر جب ہر جماعت اسلام میں داخل ہونے کیلئے دربار رسالت میں حاضر ہوئی تو میرے والد بھی قوم کی طرف سے قاصد بن کر حاضر ہوئے...
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شریعت کے احکام بتائے اور نماز سکھائی...
نیز ارشاد فرمایا جس کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو وہ امامت کیلئے افضل ہے...
میں چونکہ بچپن ہی سے اسلام لانے سے پہلے کافی آیات یاد کر چکا تھا... اس لئے قوم میں مجھ سے زیادہ حافظ قرآن کوئی نہ تھا... لہٰذا قوم نے مجھے اپنا امام بنا لیا...
حالانکہ اس وقت میری عمر چھ سات برس کی تھی... جب کوئی مجمع ہوتا یا نماز جنازہ کی نوبت آتی تو مجھے ہی امام بنایا جاتا... یہ خوش نصیب بچہ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ تھے...

☆☆☆☆

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ حاضری پر ایک لڑکا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اس نے سترہ قرآنی سورتیں حفظ کر لی ہیں... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امتحان کے طور پر کچھ سنانے کو فرمایا...

لڑکے نے آپ کے سامنے سورہ ق سنائی...

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسرت کا اظہار فرمایا...

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خطوط یہود کے پاس بھجوانے ہوتے وہ یہودی ہی تحریر کرتے تھے...ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...

یہود کی خط و کتابت پر مجھے اطمینان نہیں کہ وہ گڑبڑ نہ کردیتے ہوں تم یہود کی زبان سیکھ لو...

اس لڑکے نے صرف پندرہ دنوں میں یہودیوں کی عبرانی زبان سیکھ لی اور باقاعدہ تحریر بھی لکھنا شروع کردی...اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہودیوں کے جو خطوط آتے ان کے پڑھنے کی ذمہ داری بھی اس کم عمر کے ذمہ تھی...

بعض روایات میں عبرانی کی جگہ سریانی زبان سیکھنے کا بھی آیا ہے...یہ لڑکا صحابہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور تھا...

آپ اپنے زمانہ کے جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے اور بڑے مفتی سمجھے جاتے... خاص طور پر علم میراث کے ماہر تھے...ہجرت نبوی کے وقت ان کی عمر صرف گیارہ برس تھی...

پیارے بچو ہے نا کمال کی بات...(فتح الباری)

☆☆☆☆

خالد بن سعیدؓ کی بیٹی آقائے کون و مکاں امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اپنے ابا کے ساتھ آئیں وہ خود بتاتی ہیں کہ:...

میں چھوٹی سی تھی اور پیلے رنگ کا کرتا میں نے پہنا ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: سَنَہ یہ حبشی زبان کا لفظ تھا جس کے معنی حسنہ حسنہ کے ہیں...یعنی واہ واہ! بہت اچھا کپڑا ہے...

پھر میرے والد تو نبی کریم کے پاس بیٹھ گئے اور میں آپ کے دونوں شانوں کے درمیان پچھلی جانب جو مہر نبوت تھی (ایک ابھری ہوئی کبوتری کے انڈے کی طرح جس کے اردگرد بالوں کی لکیر سی بنی ہوئی تھی اسے مہر نبوت کہا جاتا تھا) اس سے کھیلنے لگی...

تھوڑی دیر بعد جب میرے والد صاحب کی نظر پڑی تو انہوں نے مجھے وہاں سے

ہٹانا چاہا اور ڈانٹ کر مجھے اپنا پاس بلایا تو امت کے کریم وشفیق آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو بھئی! اسے کھیلنے دو... ساتھ ہی یہ دعا بھی دی پہنتی رہو اور پرانا کرتی رہو تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیہ جملہ ادا فرمایا... پھر یہ خوش بخت بچی اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں مست، مہر نبوت کو پکڑتی، چومتی اور اسکے ساتھ کھیلتی رہی... سبحان اللہ! کیا قابل رشک بچی تھی... (بخاری کتاب الآدب)

☆☆☆☆

''حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے استاد ثابت بُنانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چل رہا تھا ہمارا بچوں کے پاس سے گذر ہوا تو انہوں نے بچوں کو سلام کیا... پھر حضرت ثابت بُنانی فرمانے لگے کہ میں اپنے استاد حضرات انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہا تھا جب ہمارا بچوں پر گذر ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بچوں کو سلام کیا اور...... ساتھ ہی فرمانے لگے کہ میں اپنے استاد رحمت دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا ہم بچوں کے پاس سے گزرے تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو سلام کیا تھا... (ترمذی شریف)

دانش مند بچو! آپ نے یہ حدیث سن کر اس سے کیا سبق حاصل کیا؟ ذرا سوچ کر بتا دیجئے! امید ہے آپ نے یہی سوچا ہو گا کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم بہت شفیق و رحیم تھے اور بچوں کیساتھ پیار بھی فرماتے تھے...... لیکن یہ سبق بھی تو اس حدیث میں ہے کہ یہ سارے اپنے اساتذہ کی تعلیمات پر ہو بہو عمل کیا کرتے تھے اور ہاں ایک سبق اور بھی ہے کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے وہ لوگ ہر وقت تعلیم و تربیت کا عمل جاری رکھا کرتے تھے... تبھی تو نیکیاں فروغ پاتی تھیں اور آج تھوڑے لوگوں کے علاوہ سبھی برائیوں کی تشہیر میں لگے ہوئے ہیں، تبھی تو ہر طرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی حکم شکنی ہو رہی ہے... کاش ہم اپنے زریں ماضی کو دیکھ کر مستقبل کو روشن کرنے والے بن جائیں...... تو وہ ساری اخلاقی اقدار زندہ و تابندہ ہو جائیں گی...

☆☆☆☆
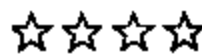
''حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی تھے جن کا نام ابوعمیر تھا وہ چھوٹے سے تھے...... اور انہوں نے ایک پرندہ بھی پال رکھا تھا...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے تو وہ بڑے غمگین بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دل بہلانے کے لئے یوں ارشاد فرمایا: یَا اَبَا عُمَیرُ مَا فَعَلَ النُّغَیرُ: اے ابوعمیر تمہاری چڑیا کہاں چلی گئی؟)...... وہ خوش ہو گئے اور ان کے گھر والے بھی...(ابوداؤد، کتاب الادب)

☆☆☆☆

''حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے...آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت زیادہ پیار فرمایا کرتے تھے آپ خود ان کا منہ اور ناک اپنے کپڑے سے صاف کر لیتے تھے...

☆☆☆☆

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا، اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا، باپ بیٹے کے درمیان اس قدر مشابہت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران ہو گئے اور فرمایا ''میں نے باپ بیٹے میں اس طرح کی مشابہت نہیں دیکھی'' آنے والے شخص نے کہا'' امیر المؤمنین! میرے اس بیٹے کی پیدائش کا بڑا عجیب قصہ ہے اس کی پیدائش سے پہلے جب میری بیوی امید سے تھی تو مجھے جہاد میں جانا پڑا، بیوی بولی آپ مجھے اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟''

میں نے کہا استودع اللہ ما فی بطنک (آپ کے پیٹ میں جو کچھ ہے میں اسے اللہ کے پاس امانت رکھ کر جا رہا ہوں) یہ کہہ کر میں جہادی مہم میں نکل پڑا...

ایک عرصہ کے بعد واپس ہوا تو یہ دردناک خبر ملی کہ میری بیوی انتقال کر چکی ہے اور جنت البقیع میں دفن کی گئی ہے میں اس کی قبر پر گیا دعا اور آنسوؤں سے دل کا غم ہلکا کیا، رات کو مجھے اس کی قبر سے آگ کی روشنی بلند ہوتی ہوئی محسوس ہوئی...

میں نے رشتہ داروں سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا

''رات کو اس قبر سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیتے ہیں'' میری بیوی بڑی نیک خاتون تھی میں اسی وقت اس کی قبر پر گیا تو وہاں یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ قبر کھلی ہوئی ہے، میری بیوی اس میں بیٹھی ہے بچہ اسکے پاس بے چین ہو رہا ہے اور یہ آواز دے رہی ہے...

''اے اپنی امانت کو اللہ کے سپرد کرنے والے! اپنی امانت لے لے، اگر تم اس بچے کی ماں کو بھی اللہ کے سپرد کر جاتے تو واللہ! آج اسے بھی پاتے'' میں نے قبر سے بچہ اٹھایا اور قبر اپنی اصلی حالت پر آ گئی...

اے امیر المؤمنین! یہ وہی بچہ ہے...'' (کتاب الدعاء للطبرانی)

☆☆☆☆

بچپن میں انصار کے باغات میں کھجوروں کے درختوں پر پتھر پھینکتا... تا کہ تر و تازہ کھجوریں نیچے گریں اور میں اٹھا کر کھالوں...

ایک دن میں اسی کام میں مشغول تھا کہ باغ والے انصار مجھے پکڑ کر دربار رسالت میں لے آئے...

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا...

اے لڑکے کھجور کے درخت پر پتھر کیوں پھینکتا ہے...؟

میں نے عرض کیا...

کھجور کھاتا ہوں یعنی اسی مقصد کیلئے پتھر پھینکتا ہوں تا کہ کھجوریں گریں اور میں کھالوں...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت شفقت سے فرمایا...

پتھر نہ پھینکا کر بلکہ وہاں جو کھجوریں نیچے گری پڑی ہوں ان کو کھالیا کر...

پھر آپ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا اے اللہ اس کا پیٹ بھر دیجئے...

یہ واقعہ حضرت رافع بن عمر رضی اللہ عنہ کے بچپن کا ہے جو خود ان سے روایت کردہ ہے... (مثالی ماں)

☆☆☆☆

باب ۴
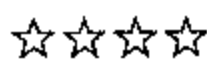
تابعین... فقہاء... محدثین رحمہم اللہ اور سلاطین امت کا بچپن

سعید الجوہری مامون رشید کے استاد تھے اور مامون رشید خلیفہ ہارون رشید کا بیٹا تھا... ایک دن سعید جوہری کے دوست ابو محمد ان سے ملنے کیلئے آئے... وہ اس وقت گھر کے اندرونی حصے میں تھے... چنانچہ ابو محمد نے مامون سے کہا...

جاؤ اپنے استاد کو بلا لاؤ انہیں بتاؤ کہ ان کے دوست ابو محمد آئے ہیں... مامون اندر چلا گیا اور کافی دیر بعد لوٹا اور سعید الجوہری کے آنے میں دیر ہوئی اس پر ابو محمد نے پھر مامون سے کہا...

لڑکے تمہارے استاد اب تک نہیں آئے... جاؤ جا کر انہیں بتاؤ ان کے دوست آئے ہیں... مامون پھر اندر چلا گیا اور کافی دیر بعد واپس لوٹا... اس کے بعد کہیں جا کر سعید آئے ابو محمد نے ان سے کہا...

یہ لڑکا کھیل میں لگ جاتا ہے... میں نے اسے دوبار آپ کو بلانے کیلئے بھیجا... لیکن اس کے وزیر نے باہر آنے میں دیر کر دی... دوسرے یہ کہ جو خدمت گار اس کی خدمت پر مامور ہیں یہ انہیں بھی تنگ کرتا رہتا ہے... آپ اسے ادب سکھائیں...

سعید جوہری کو مامون پر غصہ آ گیا... انہوں نے اسے سات درے لگائے... وہ لگا رونے اور آنکھیں ملنے... ایسے میں وہاں اچانک خلیفہ ہارون رشید کے وزیر جعفر بن یحییٰ برمکی آ گئے... ان کی آمد کی اطلاع اندر آئی تو سعید الجوہری گھبرا گئے... کیونکہ انہوں نے ابھی ابھی شہزادے کی کمر پر سات درے لگائے تھے اور وہ ابھی رودھو کر فارغ بھی نہیں ہوا تھا... انہیں خیال گزرا کہ اب شہزادہ ان کی شکایت لگائے گا...

ادھر مامون نے جب سنا کہ یحییٰ برمکی آ رہے ہیں تو اس نے فوراً اپنی آنکھیں صاف کر ڈالیں... اپنے کپڑوں کو درست کر لیا اور فرش پر چوکر مار کر بیٹھ گیا... تاکہ یہ ظاہر نہ ہو کہ ابھی رو کر فارغ ہوا ہے... اتنے میں جعفر بن یحییٰ آ گئے...

مامون نے جعفر برمکی کو باتوں میں لگالیا ہنسی مذاق بھی کیا اور بالکل ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے...

پھر جب جعفر بن یحییٰ برمکی چلے گئے تو سعید الجوہری نے مامون سے کہا میں تو ڈر گیا تھا کہ تم میری شکایت لگاؤ گے اور جعفر مجھ سے سختی سے پیش آئیں گے...اس پر مامون نے کہا...

بھلا میں ایسا کیسے کرسکتا تھا... میں تو اپنے والد کو بھی کبھی کوئی بات نہیں کہتا اور واقعی مجھے ادب کی ضرورت ہے...آپ اپنا کام کریں اور یہ خیال بھی کبھی دل میں نہ لائیں کہ میں آپ کے بارے میں کوئی بات کسی سے کہوں گا... چاہے آپ دن میں سو مرتبہ مجھے سزا دیں... یہ تھا استاد کا ادب...

☆☆☆☆

بوعلی قلندر پیدا ہوئے تھے تو ان کا رونا شروع ہو گیا... مسلسل روتے چلے گئے... ذرا دیر کیلئے رونا بند نہ ہوا... اس حالت میں تین دن گزر گئے... آخر تیسرے دن شیخ فخر الدین (والد بوعلی قلندر) کے دروازے پر ایک درویش آئے... انہوں نے چمڑے کا لباس پہن رکھا تھا... شیخ فخر الدین نے درویش کو سلام کیا... انہوں نے جواب دیا... پھر بولے...

مبارک ہو... لڑکا ہوا ہے... میں اسی کو دیکھنے کیلئے آیا ہوں...

فخر الدین درویش کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے... انہوں نے بچے کو دیکھا تو پیشانی پر بوسہ دیا... پھر دونوں کانوں میں یہ آیت پڑھی...

"فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"

ترجمہ... جس طرف منہ کرلو... ادھر ہی اللہ ہے...

اس آیت کی آواز جیسے ہی کانوں میں پڑی... رونا رک گیا... آنکھیں کھل گئیں اور دودھ بھی پینے لگے... اس کے بعد درویش نے فخر الدین کو بشارت دی... یہ بچہ صاحب کمال... عاشق خدا ہوگا... یہ کہتے ہی بزرگ غائب ہو گئے...

☆☆☆☆

حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا... بیٹا: میرے لئے ایک کپڑا تیار کرو... جسے میں قضا حاجت کے وقت استعمال کرلیا کروں... کیونکہ

میں دیکھتا ہوں... مکھیاں... نجاست پر بیٹھتی ہیں اور پھر میرے کپڑوں پر آ جاتی ہیں...

اس پر صاحب زادے نے کیا خوب جواب دیا بولے...

والد محترم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا... آپ کا ایک ہی کپڑا رہتا تھا... اس میں قضائے حاجت بھی فرماتے تھے اور اسی میں نماز بھی پڑھتے تھے...

حضرت امام زین العابدین نے صاحب زادے کے اس جواب کی بہت قدر کی اور اس خیال کو چھوڑ دیا...

☆☆☆☆

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ... حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے... امام احمد کو ان سے بہت عقیدت تھی... ان کا بے حد احترام کرتے تھے... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی سواری پر سوار ہوتے تو یہ ان کے پیچھے پیچھے پیدل ان سے سوالات کرتے جاتے تھے... وہ خود فرماتے ہیں...

میں نے تیس برس سے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے دعا نہ کی ہو...

☆☆☆☆

امام ربیعہ... حدیث کے امام تھے... بچپن میں حد درجے غریب تھے نوبت یہاں تک آ گئی تھی کہ انہیں وہ گھر کی چھت کی لکڑیاں تک فروخت کر کے گزر بسر کرنا پڑی... اس زمانے میں وہ ایسی کھجوریں اور منقی وغیرہ کھا لیتے تھے جو لوگ ردی ہونے کی وجہ سے کوڑیوں پر پھینک دیتے تھے... لیکن علم کی تڑپ نے آخر انہیں فقہ کا امام بنا دیا...

☆☆☆☆

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں... ہم نے بھی علم حاصل کیا اور ہمارے ساتھ اتنے لوگوں نے علم حاصل کیا کہ ہم انہیں شمار نہیں کر سکتے... مگر علم سے نفع صرف اس شخص نے حاصل کیا جس کے دل کو دودھ نے رنگ دیا...

یہ کہنے سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ طالب علمی کے زمانے میں آپ کے گھر والے... آپ کیلئے روٹی دودھ میں ڈال کر رکھ دیتے تھے... آپ صبح وہی کھا کر... مدرسے چلے جاتے...

واپسی پر بھی وہی کھالیتے... کسی عمدہ کھانے کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے جب بھی دوسرے لوگ اچھے کھانوں کے چکر میں سبق کے ایک حصے سے محروم ہو جاتے تھے...

☆☆☆☆

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں...

دین کا علم حاصل کرنے میں کوئی شخص مال اور دولت کے ذریعے کامیاب نہیں ہوسکا... اس میں وہ شخص کامیاب ہوتا ہے... جو تنگی میں زندگی بسر کرے... اپنے اساتذہ کے سامنے خود کو حقیر جانے... علما کی عزت کرے... علم کی قدر کرے...

میں بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہو گیا تھا... میری والدہ نے میری پرورش بہت تنگی کی حالت میں کی... جب میں پڑھنے کے قابل ہوا تو میری والدہ نے مجھے مکتب میں بٹھا دیا... وہ میرے استاد کی کوئی مالی خدمت کرنے کے قابل نہیں تھی... اس لئے میں نے اپنے استاد سے عرض کیا...

میری ماں آپ کی مالی خدمت تو کر نہیں سکتیں... البتہ میں آپ کی خدمت کر سکتا ہوں... وہ اس طرح کہ جس وقت آپ کہیں جائیں یا کسی وجہ سے تعلیم نہ دے سکیں تو میں مکتب کے نائب کی حیثیت سے آپ کا کام کیا کروں گا...

استاد نے یہ بات منظور کر لی... اس طرح میں نے قرآن مجید ختم کیا...

☆☆☆☆

سلطان شہاب الدین غوری کے بعد تاج الدین ان کا جانشین بنا... اس کے دو بیٹے تھے... ان میں سے ایک کو تعلیم کیلئے استاد کے سپرد کرایا... ایک روز یہ استاد اپنے شاگرد شہزادے پر ناراض ہوا... غصے میں کوڑا اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا... اب چونکہ شہزادے کا آخری وقت آچکا تھا... اس لئے اس کی روح پرواز کر گئی...

تاج الدین کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو مدرسے پہنچا... اس نے دیکھا کہ شہزادے کے استاد کی حالت بہت بری ہے اور وہ اپنی حرکت پر سخت نادم ہے... یہ حالت دیکھ کر تاج الدین نے استاد سے کہا:

اس سے پہلے کہ شہزادے کی موت کی خبر اس کی ماں تک پہنچے... تم خود اس شہر سے نکل

جاؤ کسی دوسرے شہر میں رہائش اختیار کرلو... ورنہ تمہیں اس جرم میں سزا سنادی جائے گی اور تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے...

استاد نے تاج الدین کی رحم دلی پر اس کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے نکل گیا...

☆☆☆☆

خلیفہ ہارون رشید نے اپنے بیٹے مامون رشید کو علم وادب کی تعلیم کے لئے امام اصمعی کے سپرد کیا... ایک روز ہارون رشید وہاں گئے تو دیکھا کہ اصمعی وضو کررہے ہیں اور ان کا بیٹا مامون ان کے پاؤں پر ڈال رہا ہے... یہ دیکھ کر ہارون رشید نے کہا...

میں نے تو اسے آپ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اب آپ اسے ادب سکھائیں گے...

اس پر امام اصمعی نے جواب دیا... پیروں پر پانی ڈال تو رہا ہے... لیکن آپ نے شہزادے کو یہ حکم کیوں نہ دیا کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے پاؤں دھوئے...

☆☆☆☆

حضرت فضیل بن عیاض نے نماز میں سورۃ المومنین کی آیت 104 تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے... ''اے ہمارے رب! ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا اور ہم گمراہ لوگ تھے''...

ان کا بیٹا علی بھی پیچھے نماز پڑھ رہا تھا... یہ آیت سن کر وہ گر پڑا اور بے ہوش ہوگیا... آپ کو بیٹے کے بارے میں پتہ چلا تو قرأت مختصر کردی... لوگ علی کی والدہ کو بلا لائے... اس نے بیٹے پر پانی ڈالا تو اسے ہوش آگیا... والدہ نے حضرت فضیل سے کہا... آپ تو میرے بچے کو ہلاک کردیں گے...

کچھ دن بعد آپ پھر نماز پڑھا رہے تھے... آپ کا خیال تھا کہ علی پیچھے نہیں ہے... اس روز آپ نے سورہ زمر 47 کی تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے...

''اور خدا کی طرف سے انہیں معاملہ پیش آئے گا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا''...

یہ سنتے ہی علی گر پڑے اور ان کا انتقال ہوگیا آپ نے قرأت مختصر کردی... والدہ کو اطلاع دی گئی کہ آکر اپنے بیٹے کو سنبھال لیں... انہوں نے آکر پانی ڈالا لیکن وہ تو انتقال کرچکے تھے...

☆☆☆☆

مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی... اس کا بیٹا غلط کاریوں میں لگا رہتا تھا... اس کی ماں اسے سمجھاتی اور کہتی...

"اے میرے بیٹے: تم سے پہلے جو غافل لوگ ہو گزرے ہیں... انہیں یاد کر ان کا انجام سوچ کیا ہوا اور موت کے وقت کو یاد کر"...

ماں کی نصیحت کے جواب میں وہ کہتا...

یہ ٹھیک ہے ماں کہ میں اپنی خواہشات کا غلام بن کر رہ گیا... غلط کاریوں میں مبتلا ہوں... لیکن میں اللہ کے فضل سے توبہ کی امید رکھتا ہوں...

اس کا حال یہی تھا دن رات عیاشیوں میں گزر رہے تھے کہ ابو عامر بنانی رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف لے آئے... ان کا آنا رمضان کے مہینے میں ہوا تھا... ان کے بھائیوں نے ان سے مسجد میں وعظ کرنے کی درخواست کی انہوں نے منظور کر لی... وہ جمعہ کی رات تراویح ہونے کے بعد بیٹھ گئے... لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے... یہ نوجوان بھی ان میں آ کر بیٹھ گیا... انہوں نے وعظ شروع کیا... وعظ بہت پر اثر تھا... لوگوں کے دل دہل گئے... جنت کی تڑپ ان میں پیدا ہو گئی... اس نوجوان پر بھی ان کی نصیحت اثر کر گئی... اس کا رنگ تبدیل ہو گیا... وہاں سے اٹھ کر اپنی ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا...

اے ماں: میں نے توبہ کا پکا ارادہ کر لیا ہے... مجھے امید ہے میرا رب مجھے معاف کر دے گا اور اگر اس نے مجھے معاف نہ کیا تو میں بدنصیب ہوں گا...

اس کے بعد وہ نوجوان اللہ کی عبادت میں لگ گیا... نماز... روزے کا پابند ہو گیا... تراویح کے بعد بھی رات گئے تک جاگتا رہتا... پھر ایک رات ماں اس کے پاس افطاری لے کر آئی تو وہ افطاری سے رک گیا اور بولا...

ماں مجھے بخار اور جسم میں درد محسوس ہو رہا ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ میرا وقت آ پہنچا ہے...

پھر وہ عبادت میں لگ گیا... چار دن تک اسی حالت میں رہا... پھر ایک دن قبلہ رخ ہو کر بولا... اے اللہ! میں نے طاقت کے زمانے میں تیری نافرمانی کی اور کمزوری کے زمانے میں تیری اطاعت کی... طاقت کے زمانے میں تجھے ناراض کیا... کمزوری کے زمانے

میں تجھے یاد کیا... کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو نے میری توبہ قبول کرلی ہے یا نہیں...

پھر وہ بے ہوش ہو گیا... گرنے سے اس کے چہرے پر زخم آیا... اس کی ماں اٹھ کر اس کے پاس آئی اور کہنے لگی...

میرے جگر کے ٹکڑے میری آنکھوں کی ٹھنڈک مجھ سے بات تو کر...

وہ ہوش میں آ کر بولا...

یہ وہ دن ہے جس سے تو مجھے ڈراتی تھی جس سے تو مجھے خوف دلاتی تھی... میں اس بات سے ڈرتا ہوں... کہیں میرے جہنم میں رہنے کی مدت لمبی نہ ہو جائے... ماں تجھے اللہ کا واسطہ تجھے اللہ کا واسطہ اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دے تاکہ میں ذلت کا مزہ چکھوں شاید اس طرح اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کر دے...

ماں نے ایسا ہی کیا جب پاؤں اس کے رخسار پر رکھا تو وہ کہنے لگا... بدکردار کی یہی سزا ہے... پھر وہ انتقال کر گیا... جمعہ کی رات اس کی ماں نے اسے خواب میں دیکھا اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا... ماں نے پوچھا...

میرے بیٹے اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا...

نوجوان بولا... اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ بہتر معاملہ کیا اور میرے درجے بلند کر دیئے... اب ماں نے پوچھا... اور ابو عامر بنانی کا کیا ہوا... وہ بولا

وہ بہت اونچے مرتبے پر پہنچ گئے... ہم جیسے ابو عامر کے درجے کو کہاں پہنچ سکتے ہیں... وہ تو ایک محل میں رہتے ہیں... حوریں ان کے گرد رہتی ہیں... وہ ان سے کہتی ہیں... اے لوگوں کو نصیحت کرنے والے تمہیں مبارک ہو...

☆☆☆☆
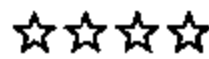
وہ ایک باغ کے مالک کے غلام تھے... اس کے باغ میں کام کرتے تھے... ایک دن باغ کے مالک نے ان سے کہا... ایک میٹھا انار توڑ کر لے آئیں...

وہ ایک انار توڑ کر لے آئے... انار کھٹا تھا... مالک نے کہا... یہ تو کھٹا ہے میں نے میٹھا انار لانے کیلئے کہا تھا... وہ گئے اور دوسرا انار توڑ کر لے آئے... یہ انار بھی کھٹا نکلا مالک نے

غصے میں آ کر کہا...

میں نے تم سے میٹھا انار لانے کیلئے کہا تھا اور تم دونوں مرتبہ کھٹا انار لے آئے... جاؤ میٹھا انار لے آؤ... وہ گئے اور تیسرا انار توڑ کر لے آئے... لیکن تیسرا انار بھی کھٹا تھا... اب باغ کے مالک کو بہت غصہ آیا اور حیرت بھی ہوئی... چلا کر بولا...

تمہیں میٹھے کھٹے کی بھی پہچان نہیں... انہوں نے جواب دیا... پہچان ہو بھی کیسے سکتی ہے میں نے آج تک کسی درخت سے کوئی انار نہیں کھایا... مالک نے حیران ہو کر پوچھا... لیکن کیوں... وہ بولے...

اس لئے کہ آپ نے باغ سے کھانے کی اجازت نہیں دی... آپ کی اجازت کے بغیر بھلا کوئی انار کھانا میرے لئے کس طرح جائز ہو سکتا ہے... مالک حیرت زدہ رہ گیا... اس نے یہ بات باغ کے دوسرے ملازموں سے پوچھی...

انہوں نے بتایا... یہ ٹھیک ہے... انہوں نے آج تک کوئی انار نہیں کھایا... باغ کا مالک اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر دی... ان کا نام مبارک تھا... باغ کے مالک کی بیٹی سے ان کا ایک بیٹا پیدا ہوا... اس کا نام عبداللہ رکھا گیا...

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے علمائے اسلام میں جو مقام عطا فرمایا وہ ایک دنیا جانتی ہے...

☆☆☆☆
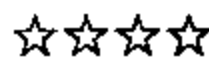
ایک غریب طالب علم پنجاب سے دہلی پہنچا... شاہ جہاں کا دور تھا... وہ اپنی گزر بسر کیلئے ایک نواب کے لڑکوں کو تعلیم دینے لگا... رات کو وہ خود پڑھتا تھا... اس کا نام ملا سعد اللہ خان تھا... انہی دنوں ایران کے بادشاہ نے شاہجہاں کو ایک خط لکھا... دونوں کے درمیان خطوط کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا... اس خط کے ساتھ قیمتی تحفے بھی آئے تھے... خط کے آخر میں ایک سطر دربار میں سے کسی سے بھی نہ پڑھی گئی... شاہ جہاں بہت فکر مند ہوا کیونکہ اسے آخر خط کا جواب دینا تھا اور جب تک سطر کا مطلب سمجھ بھی نہ آتا... اس وقت تک جواب نہیں لکھا جا سکتا تھا... جس نواب کے لڑکوں کو ملا سعد اللہ خان پڑھاتا تھا... وہ خط اسے بھی دیا گیا تاکہ

وہ اس سطر کو پڑھ سکے... انہوں نے بھی کوشش کی... لیکن نہ پڑھ سکا... اس بات کا پتہ ملا سعد اللہ کو لگا... اس نے نواب سے کہا...

خط مجھے دکھائیں... شاید میں پڑھ سکوں... جواب میں نواب نے کہا... بڑے بڑے عالم فاضل اسے سمجھنے کی کوشش کر چکے ہیں... تم کیسے پڑھ لو گے... اس پر سعد اللہ نے کہا...

دکھانے میں کیا حرج ہے... آخر نواب نے خط دکھا دیا... ملا نے اس سطر کو پڑھا پھر نواب سے بولا... میں اس سطر کا مطلب سمجھ گیا... جب بادشاہ سلامت کی طرف سے خط کا جواب دیا جائے تو آخری سطر کا جواب میں لکھوں گا...

نواب یہ سن کر بہت حیران ہوا... اس نے یہ بات بادشاہ کو بتائی... بادشاہ بھی بہت حیران ہوا اور خوش بھی... اس طرح اس سطر کا جواب ملا سعد اللہ سے لکھوایا گیا اور خط شاہ ایران کو بھیج دیا گیا...

ادھر شاہ جہاں نے سوچا... ملا سعد اللہ کی ذہانت کو آزمایا جائے... اس نے ملا کو شاہی مرغی خانے کا مہتمم بنا دیا... یہ کام اگرچہ ملا کے مزاج کے مطابق نہیں تھا... لیکن اس نے خوش اسلوبی سے اپنا کام شروع کر دیا... اس نے ایسے انتظامات کئے کہ مرغی خانے کا خرچ بالکل ختم ہو گیا... ایک دن بادشاہ نے مرغی خانہ کا حساب دیکھا تو بہت حیران ہوا... اس نے وزیر سے پوچھا کیا تمام مرغیاں مر گئیں کہ مرغی خانہ کا خرچ ختم ہو گیا ہے...

وزیر کوئی جواب نہ دے سکا تو بادشاہ خود مرغی خانے گیا... اس نے دیکھا... مرغیاں پہلے سے زیادہ موٹی ہو چکی ہیں... اس نے حیران ہو کر ملا سعد اللہ سے پوچھا...

یہ سب کیسے ہوا... اس نے بتایا...

جہاں پناہ جس آٹے سے باورچی خانہ کے برتنوں کے منہ بند کئے جاتے ہیں... وہ پہلے ضائع کر دیا جاتا تھا اب میں وہ آٹا مرغیوں کو کھلا دیتا ہوں... اس طرح خرچ کی بچت ہو گئی ہے...

بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے ایک کتب خانے کا ناظم مقرر کر دیا... یہ جگہ اس کے مزاج کے مطابق تھی... کیونکہ اسے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا... اب بادشاہ کتب خانے میں آیا... اس نے دیکھا اکثر کتابوں پر کم خواب اور زریفت کے غلاف چڑھے ہوئے ہیں...

اس نے ناراض ہو کر ملا سے کہا کہ

تم نے اتنے قیمتی کپڑے کتابوں پر چڑھائے لیکن کسی خرچ کا مطالبہ نہیں کیا... ملا نے جواب دیا...

جہاں پناہ ان پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا... بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا وہ کیسے...

ملا سعد اللہ نے جواب دیا...

امراء اور وزرا اپنی درخواستیں ریشم اور کم خواب کے قیمتی کپڑوں میں رکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں... یہ تمام کپڑے شاہی دفتر میں بے کار پڑے تھے... میں نے ان کے غلاف تیار کرا لئے...

بادشاہ بہت خوش ہوا اور دل میں کہنے لگا... یہ شخص تو وزیر اعظم بننے کے لائق ہے...

اس دوران شاہ ایران کا جواب آ گیا... اس نے لکھا تھا... جس شخص نے ہمارے خط کا جواب دیا ہے وہ ضرور آپ کا وزیر اعظم ہے اور اگر وہ یہ بات نہیں ہے تو وہ ہمارے پاس آ جائے... ہم اسے وزیر اعظم بنانے کیلئے تیار ہیں...

بادشاہ نے یہ خط پڑھ کر سعد اللہ کو طلب کیا اور پوچھا یہ بتاؤ شاہ ایران کی اس سطر کا کیا مطلب تھا اور تم نے کیا جواب لکھا تھا...

سعد اللہ نے عرض کیا...

جہاں پناہ انہوں نے پوچھا تھا کہ آپ ہیں تو شاہ ہند اور خود کو کہلاتے ہیں شاہ جہاں ہیں... میں نے ان کی اس بات کا جواب یہ دیا کہ جہاں اور ہند کے حروف کے عدد برابر ہیں... لہٰذا ہند کی جگہ جہاں لکھنے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے...

شاہ جہاں اس جواب پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے اسے انعام و اکرام سے نوازا اور اپنا وزیر بنا لیا...

☆☆☆☆

امام ابو عبید القاسم اپنی طالب علمی کے زمانے میں اپنے کسی استاد سے یا کسی عالم سے ملنے کیلئے جاتے تو ان کے دروازے پر کھڑے رہتے... اطلاع دینے کیلئے دستک نہ دیتے... بس باہر کھڑے رہ کر ان کے باہر آنے کا انتظار کرتے رہتے... مطلب یہ کہ اپنے اساتذہ کا اتنا ادب کرتے...

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچپن میں ایک دن مدرسے سے گزرے تو باپ کو بہت غمگین پایا...انہوں نے پوچھا...

ابا جان آپ کس لئے غمگین ہیں...انہوں نے بتایا...

بیٹا تمہارے ماموں سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو زکوۃ بھیجی تھی...انہوں نے واپس کردی...اس پر حضرت جنید بولے...

لائیے میں دے آتا ہوں...زکوۃ کی رقم لے کر آپ ماموں کے گھر آئے اور ان سے کہا...

اللہ تعالیٰ نے آپ پر فضل کیا اور میرے والد کے ساتھ عدل کیا...آپ یہ زکوۃ قبول فرمائیے...

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا...یہ فضل اور عدل کیسے...

انہوں نے جواب دیا...

آپ کو درویشی ملی...چاہے آپ زکوۃ لوٹا دیں...چاہے منظور کرلیں اور میرے والد اس کام پر مامور ہیں کہ مستحق کو زکوۃ دیں...

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات بہت پسند آئی...چنانچہ آپ نے فرمایا...

زکوۃ سے پہلے میں تمہیں قبول کرتا ہوں...

☆☆☆☆

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر سات سال کی تھی...ان کے ماموں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ انہیں اپنے ساتھ حج پر لے گئے...وہاں کچھ بزرگ شکر کے مسئلے پر بات کررہے تھے...حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی سے کہا...

تم بھی اپنی رائے پیش کرو...حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت ملنے پر کہا...

شکر یہ ہے کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو اور اس نعمت کو گناہ کا ذریعہ نہ بناؤ...

تمام حاضرین نے فیصلہ سنایا کہ یہ شکر کی سب سے اچھی تعریف ہے...اب سب نے ان سے پوچھا...تم نے یہ تعریف کہاں سے سیکھی...

یہ بولے...ماموں جان (حضرت سری سقطی رحمہ اللہ) کی صحبت سے...

☆☆☆☆

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ حضرت معافی بن عمر رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کیلئے گئے... انہوں نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے پوچھا گیا.. کون ہے...

حضرت بشر بن حارث نے جواب میں بتایا...

بشر حافی... حافی کا مطلب ہے ننگے پاؤں والا...

ان کا نام سن کر اندر سے ایک چھوٹی بچی نے کہا...

اگر آپ دو پیسے کا جوتا خرید لیں تو حافی نام آپ سے رخصت ہو جائے...

☆☆☆☆

خلیفہ معتصم باللہ خاقان کی بیمار پرسی کیلئے گئے... وہاں خاقان کے بیٹے فتح سے ملاقات ہوئی... معتصم نے اس سے پوچھا.. خلیفہ کا گھر اچھا ہے یا تمہارے والد کا...

بچے نے فوراً جواب دیا... اگر امیر المومنین ہمارے گھر ہوں تو والد کا گھر ہی اچھا ہے... یہ سن کر خلیفہ نے اپنے ہاتھ میں نگینہ دکھایا اور پوچھا اس سے بہتر کوئی چیز دیکھی...

بچے نے کہا... وہ ہاتھ جس میں یہ نگینہ ہے...

☆☆☆☆

حجاج بغدادی حدیث کا علم حاصل کرنے کیلئے جانے لگے تو ماں کے پاس انہیں دینے کیلئے اور تو کچھ نہیں تھا ایک سو کلچے پکا کر انہیں دے دیئے... وہ ان کلچوں کو مٹی کے ایک گھڑے میں بھر کر لے گئے... سالن کا انتظام انہیں خود کرنا تھا اور وہ انہوں نے کرلیا... انتظام یہ تھا کہ دریائے دجلہ سے پانی لیتے اور ایک کلچہ روزانہ اس پانی میں ڈبو ڈبو کر کھا لیتے... ان کی درس گاہ کے استاد حضرت شبابہ محدث تھے... ایک سو روز تک انہوں نے انتہائی محنت اور لگن سے حدیث کا سبق پڑھا... یہاں تک کہ کلچے ختم ہو گئے اور انہیں مجبوراً درس گاہ کو خیر باد کہنا پڑا۔

☆☆☆☆

استاد محترم اگر آپ اجازت دیں تو یہ سو احادیث سنا دیں...

استاد نے حیران ہو کر فرمایا... اچھا سنائیں...

انہوں نے سو کی سو احادیث سنا دیں... استاد ان کے حافظہ پر حیرت زدہ رہ گئے...

اب یہ دونوں عیسیٰ بن یونس کی درس گاہ میں پہنچے... انہوں نے بھی ایک سو احادیث سنائیں... مامون احادیث سن کر بہت متاثر ہوئے اور استاد کی خدمت میں دس ہزار درہم کا نذرانہ پیش کیا... انہوں نے لینے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا...

حدیث سنانے کے بدلے میں تمہارا ایک گھونٹ پانی بھی قبول نہیں کر سکتا...

☆☆☆☆

ایاس بن معاویہ ابھی بچے تھے... ایک بوڑھے نے ان کا کچھ مال چھین لیا... انہوں نے شور مچایا تو کچھ لوگ جمع ہو گئے... بوڑھے نے انہیں بتایا کہ یہ لڑکا غلط کہہ رہا ہے... مال تو اس کا اپنا ہے... ادھر ایاس بن سادب کا کہنا تھا کہ مال ان کا ہے... آخر معاملہ دمشق کے قاضی کے پاس پہنچا... عدالت میں پہنچ کر ایاس بن معاویہ بولے...

قاضی صاحب! اللہ آپ کو سلامت رکھے... اس بوڑھے نے میرا مال چھینا ہے... یہ سن کر قاضی نے کہا... یہ عمر میں تم سے بڑے ہیں... اس انداز میں بات نہ کرو... اس پر ایاس بن معاویہ بولے...

قاضی صاحب! اللہ آپ کو سلامت رکھے... حق بات مجھ سے اس سے اور آپ سے بھی بڑی ہے... یہ سن کر قاضی کو غصہ آ گیا... اس نے چلا کر کہا...

چپ رہو... ایاس بن معاویہ بالکل نہ ڈرے اور بے باکی سے بولے...

میں چپ ہو گیا تو میری بات کو محبت کے ساتھ کون پیش کرے گا... قاضی یہ سن کر تلملا اٹھا اس نے کہا... اللہ کی قسم تو خیر کے ساتھ نہیں بولے گا... اس پر ایاس بن معاویہ بولے...

لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ...

اس ساری گفتگو کی تفصیل کسی نے امیر المومنین کو پہنچا دی... انہوں نے قاضی کو معزول کر دیا اور ایاس بن معاویہ کو قاضی بنا دیا... یہ بہت مشہور قاضی بنے ان کے فیصلے بہت مشہور ہیں...

☆☆☆☆

فرزدق بچپن ہی سے شاعر تھے... ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدت مند تھے... ایک روز یہ فرزدق کو ساتھ لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور بولے...

امیر المومنین یہ بچہ شاعر ہے...

یہ سن کر آپ نے فرمایا... کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ بچہ حافظ قرآن ہوتا... والد انہیں لے کر لوٹے تو انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک قرآن کریم حفظ نہ کرلوں گا گھر سے نہیں نکلوں گا... چنانچہ آپ نے گھر میں قرآن پاک حفظ کرلیا...

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی عمر چودہ سال تھی... والدہ نے انہیں اعلی دینی تعلیم کیلئے بغداد جانے والے قافلے کے ساتھ بھیج دیا... روانگی کے وقت والدہ نے آپ کے کپڑوں میں چالیس اشرفیاں سی دیں تاکہ محفوظ رہیں اور ضرورت کے وقت وہ ان کو کام میں لاتے رہیں...

قافلہ اپنی منزل کی طرف چلا جارہا تھا کہ ڈاکوؤں نے قافلے کو گھیر لیا اور لوٹ مار شروع کردی... انہوں نے پورے قافلے کو خوب لوٹا... کئی لوگوں کو مارا پیٹا بھی... اس طرح لوٹ مار کرتے چند ڈاکو آپ کے پاس بھی آئے... ان میں سے ایک نے پوچھا...

اے لڑکے: تمہارے پاس کیا ہے... آپ نے فوراً جواب دیا... میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں...

ڈاکوؤں نے خیال کیا لڑکا مذاق کررہا ہے کیونکہ دوسرے تو چھپا رہے تھے کہ ان کے پاس کیا کچھ ہے اور انہوں نے بے دھڑک بتادیا کہ ان کے پاس چالیس اشرفیاں ہیں... وہ آپ کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گئے اور ساری بات بتائی... سردار نے بھی آپ سے یہی سوال کیا...

بتاؤ... تمہارے پاس کیا ہے... آپ نے جواب دیا... میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں...
اگر تمہارے پاس چالیس اشرفیاں ہیں تو پھر دکھاؤ وہ کہاں ہیں...

آپ نے فوراً اپنے لباس کی اس جگہ کو ادھیڑ ڈالا جس میں اشرفیاں تھیں اشرفیوں کو دیکھ کر تمام ڈاکو حیران رہ گئے... سردار بولا...

اے لڑکے جب میرے ساتھیوں نے تمہاری تلاشی لی تو انہیں کو نقدی نہیں مل سکی...

اگر تم نہ بتاتے تو ہمیں یہ اشرفیاں نہ ملتیں... آخر تم نے ہمارے پوچھنے پر ان کے بارے میں کیوں بتا دیا... سردار کی بات کے جواب میں آپ نے فرمایا...

میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے بغداد جا رہا ہوں... جب میں گھر سے نکل رہا تھا تو میری والدہ نے یہ اشرفیاں سفر خرچ کیلئے میرے لباس میں سی دی تھیں... رخصت کرتے وقت ماں نے اس کی سخت تاکید کی تھی کہ بیٹا چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے... ہمیشہ سچ بولنا اور سچ کا دامن کبھی نہ چھوڑنا...

جب ڈاکوؤں نے یہ بات سنی تو ان کے دل کی دنیا بدل گئی... ان پر اس بات کا اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے اسی وقت برے کاموں سے توبہ کر لی اور اچھائی کا راستہ اختیار کر لیا...

☆☆☆☆

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ بصرہ کی سڑک پر چلے جا رہے تھے... انہیں راستے میں چند لڑکے اخروٹوں سے کھیلتے نظر آئے... ایک لڑکا ان کے قریب کھڑا رو رہا تھا... انہیں خیال آیا کہ اس لڑکے کے پاس اخروٹ نہیں ہیں... اس لئے یہ رو رہا ہے... انہوں نے اس سے کہا...

بیٹا کیا تمہارے پاس کھیلنے کیلئے اخروٹ نہیں ہیں... میں اخروٹ دلوا دوں... لڑکے نے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا پھر بولا...

کیا یہ کھیلنے کیلئے پیدا ہوئے ہیں... انہوں نے پوچھا... تو پھر کس لئے پیدا ہوئے ہیں... جواب میں اس نے کہا... دین کا علم سیکھنے کیلئے عبادت کرنے کیلئے... یہ سن کر بہلول حیران ہوئے اور بولے...

اللہ تمہاری عمر میں برکت دے تم نے یہ بات کس سے سیکھی...

اس نے جواب دیا... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم بے کار پیدا کئے گئے ہو اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے... یہ سن کر بہلول بولے... تم تو بڑے حکیم معلوم ہوتے ہو مجھے کچھ نصیحت کرو...

اب اس نے چار شعر پڑھے... پھر آسمان کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ اٹھا دیئے... آنسو اس کی آنکھوں سے بے تحاشا بہہ رہے تھے... پھر یہ بے ہوش ہو گیا... ہوش آیا تو میں نے کہا...

بیٹا ابھی تمہیں اتنا خوف کیوں ہے... ابھی تو تم بچے ہو... تمہارے نامہ اعمال میں کوئی گناہ بھی نہیں لکھا گیا ہوگا... یہ سن کر وہ کہنے لگا...

میں نے اپنی والدہ کو آگ جلاتے ہوئے دیکھا یہ کہ جب وہ آگ جلانے لگتی ہے تو ہمیشہ پہلے چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو چولہے میں رکھتی ہے... مجھے یہ ڈر ہے کہ جہنم میں چھوٹی لکڑیوں کی طرح مجھے نہ رکھ دیا جائے...

حضرت بہلول نے فوراً کہا... صاحب زادے... تم تو بڑے حکیم معلوم ہوتے ہو مجھے مختصر نصیحت کرو... اس پر اس نے چھ شعر پڑھے... بہلول پر ان اشعار کا بہت زیادہ اثر ہوا... وہ غشی کھا کر گر پڑے... ہوش میں آئے تو لڑکا جا چکا تھا... انہوں نے ان بچوں سے پوچھا... بچو وہ لڑکا کون تھا... وہ بولے... آپ انہیں نہیں جانتے وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں...

حضرت بہلول نے سر ہلایا اور کہنے لگے... مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ پھل کس درخت کا ہے... واقعی یہ پھل اسی درخت کا ہو سکتا ہے...

☆☆☆☆

شیخ سعدی ابھی بچے تھے ایک دن ان کے والد انہیں میلہ دکھانے کیلئے لے گئے... میلے میں ہجوم بہت تھا... اتفاق کی بات کہ ان کا ہاتھ باپ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ان سے بچھڑ گئے... اب یہ زار زار سے روئے...

دوسری طرف والدہ بھی پریشانی کے عالم میں انہیں ادھر ادھر تلاش کرتے پھر رہی تھی... یہ والد کو نظر آ گئے... فوراً ان کے پاس پہنچ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان کا کان کھینچ کر بولے...

گستاخ! میں نے تجھ سے کہا تھا میرا ہاتھ نہ چھوڑنا مگر تو نے پرواہ نہیں کی...

شیخ سعدی کہتے ہیں بچپن کا یہ واقعہ میری رہنمائی کرتا رہا... میں سمجھ چکا تھا کہ جو بزرگوں کا دامن چھوڑتا ہے وہ دنیا کے میلے میں بھٹک کر رہ جاتا ہے...

☆☆☆☆
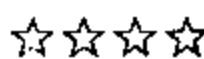
والد بچپن میں انتقال کر چکے تھے... والدہ نے گھر کے اخراجات کیلئے آپ کو دھوبی کے پاس بٹھا دیا لیکن انہیں علم کا شوق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے درس میں لے گیا... ذہین اور شوقین طالب علم پر استاد کی نظر شفقت رہتی ہے... چند دن کی غیر حاضری کے بعد جب درس میں آئے تو استاد صاحب نے غیر حاضری کی وجہ پوچھی...

انہوں نے گھر کی حالت اور دھوبی کا ذکر کیا...

استاد صاحب نے یہ ماجرا سن کر ایک تھیلی دی جس میں سو درہم تھے اور فرمایا اس سے کام چلاؤ جب ختم ہو جائیں تو مجھے بتانا...

رقم ختم ہونے سے پہلے ہی استاد صاحب رحمہ اللہ مزید رقم دے دیتے ایک مرتبہ ان کی والدہ استاد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا یہ یتیم بچہ ہے میں جانتی ہوں کہ کوئی کام سیکھ کر کمانے کے لائق ہو جائے... اس لئے اسے اپنے درس میں شریک ہونے سے روکیے...

امام صاحب نے فرمایا... یہ تو پستے کے گھی میں فالودہ کھانا سیکھ رہا ہے...

والدہ نے مذاق سمجھا اور چلی گئیں...

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی کی بدولت وہ مقام عطا کیا کہ خلیفہ وقت ہارون رشید کے دور میں عہدہ قضا پر فائز ہوا... ایک دن کھانے کے وقت مجھے خلیفہ نے ایک پیالہ پیش کر کے کہا یہ بڑی خاص چیز ہے جو ہمارے لئے بھی کبھی کبھی بنتی ہے...

فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یہ کیا چیز ہے؟

خلیفہ نے بتایا کہ یہ پستے کے روغن میں بنا ہوا فالودہ ہے... یہ سن کر مجھے حیرت سے ہنسی آ گئی... خلیفہ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو بچپن میں اپنے استاد صاحب رحمہ اللہ کا قول اور اپنے بچپن کے حالات سنائے... خلیفہ نے سن کر کہا...

اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر رحم فرمائے وہ اپنی عقل کی آنکھ سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو چشم سر سے نظر نہیں آ سکتا... یہ خوش نصیب بچہ دنیائے علم و فضل میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام سے معروف ہیں... (جہاں دیدہ)

☆☆☆☆

چودہ برس کی عمر میں امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہو کر سب سے پہلا مسئلہ پوچھا...
آپ اس لڑکے کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں جو عشا کی نماز پڑھنے کے بعد اسی رات بالغ ہوا...کیا وہ عشا کی نماز لوٹائے...؟

امام صاحب نے فرمایا... ہاں...
یہ سن کر وہ لڑکا مجلس سے اٹھا اور مسجد کے کونہ میں جا کر نماز لوٹائی...امام صاحب نے جب دیکھا تو فرمایا...اگر اللہ نے چاہا تو یہ لڑکا ضرور کامیاب ہوگا...
ادھر اللہ تعالیٰ نے لڑکے کے دل میں مجلس علم میں بیٹھنے اور حصول علم کا شوق پیدا کر دیا چنانچہ امام صاحب کی مجلس میں داخلہ کیلئے حاضر ہوئے...
امام صاحب نے پوچھا...کیا قرآن مجید حفظ کر چکے ہو...
لڑکا یہ سن کر واپس ہوا اور ایک ہفتہ میں مکمل قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اپنے والد کے ہمراہ حاضر خدمت ہوا...
امام صاحب کو جب تکمیل حفظ کا علم ہوا تو مجلس میں حاضری کی اجازت مل گئی...اس سعادت مند بچے نے اپنے استاد کی صحبت اور علمی مشاغل کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا...
حتی کہ اسلام کا عظیم مجتہد بنا اور آج بھی دنیائے علم وفقہ میں امام محمد رحمہ اللہ کے نام سے پہچانا جاتا ہے...(فضائل حفظ القرآن)

☆☆☆☆

پانچ برس کی عمر ہی کیا تھی...حضرت ابوبکر بن مقری کی مجلس میں حاضر کئے گئے کہ اس بچے نے ایک سال کی مدت میں مکمل قرآن پاک حفظ کر لیا ہے...آپ نے سورۃ الکافرون سنانے کو کہا...
بچہ نے بلاتکلف یہ سورت سنادی...مجلس میں سے کسی صاحب نے سورۃ المرسلات سنانے کی فرمائش کی آپ نے یہ سورۃ بھی حفظ سنادی...
اس پر ابوبکر بن مقری رحمہ اللہ نے اہل مجلس کو فرمایا اس بچے سے قرآن حاصل کرو اور ذمہ داری مجھ پر ہے...یہ کمسن حافظ قرآن علامہ ابن لبان رحمہ اللہ تھے...(مقدمہ فتح الملہم)

☆☆☆☆

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے بچپن کی کہانی سنئے...خود اپنے بارہ میں فرماتے ہیں...
۷۸۴ھ میں گیارہ برس کی عمر میں مسجد حرام میں تراویح سنانے کا شرف حاصل ہوا...
آپ پانچ برس کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے تو صرف ایک دن میں سورۃ مریم حفظ کر کے سب کو حیران کر دیا...(ظفر المحصلین)

☆☆☆☆

پیارے بچو! ہم آپ کو ایک نڈر اور حق گو لڑکے کا واقعہ سناتے ہیں...وہ لڑکا جس نے حجاج بن یوسف جیسے جابر حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے حق اور سچ گفتگو کی وہ گفتگو جو کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں تھی...

چنانچہ سنئے:...ایک مرتبہ حجاج اپنے محل کے دریچہ میں نشست فرما تھا، عراق کے بعض سردار بھی حاضر تھے...ایک لڑکا جس کے بال اسکی کمر تک لٹک رہے تھے اس نے فلک نما عمارت کو غور سے دیکھا دائیں بائیں نظر کی اور بآواز بلند کہا: "کیا اونچی اونچی زمینوں پر نشان بناتے ہو...بے فائدہ اور مضبوط قلعے بناتے ہو...اس خیال سے کہ ہمیشہ جیتے رہو گے" حجاج تکیہ لگائے بیٹھا تھا یہ سن کر سیدھا ہو گیا اور کہنے لگا لڑکے تو مجھے عقل منداور ذہین معلوم ہوتا ہے ادھر آ: وہ آیا تو اس سے کچھ باتیں کرنے کے بعد کہا، کچھ پڑھو...لڑکے نے پڑھنا شروع کیا...اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم...

اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یخرجون من دین اللہ افواجاً...

ترجمہ: شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جبکہ خدا کی مدد اور فتح آئی اور تو دیکھے کہ لوگ خدا کے دین سے فوج فوج نکلے جارہے ہیں...

حجاج:... "یدخلون" پڑھو یعنی داخل ہوتے ہیں...

لڑکا:...بے شک داخل ہی ہوتے تھے مگر تیرے عہد حکومت میں چونکہ لوگ نکلے جارہے ہیں اس لئے میں نے یہ لفظ استعمال کیا...

حجاج:...تو جانتا ہے میں کون ہوں؟

لڑکا:...ہاں میں جانتا ہوں کہ ثقیف کے شیطان سے مخاطب ہوں...

حجاج:...تو دیوانہ ہے اور قابل علاج ہے اچھا امیر المومنین کے بارے میں تم کیا کہتے ہو...

لڑکا:...خدا ابوالحسن (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) پر رحمت کرے...

حجاج:...میری مراد عبدالملک بن مروان سے ہے...

لڑکا:...اس نے تو اتنے گناہ کیے ہیں کہ زمین و آسمان میں نہیں سما سکتے...

حجاج:...ذرا ہم بھی تو سنیں کہ وہ کون کون سے گناہ ہیں؟

لڑکا:...ان گناہوں کا ایک نمونہ تو یہ ہے کہ تجھ جیسے ظالم کو حاکم بنایا تو وہ ہے کہ غریب رعایا کا مال مباح اور خون حلال سمجھتا ہے...

حجاج نے مصاحبوں کی طرف دیکھا اور کہا اس گستاخ لڑکے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سب نے کہا اس کی سزا قتل ہے کیونکہ یہ اطاعت پذیر جماعت سے الگ ہو گیا ہے...

لڑکا: اے امیر! تیرے مصاحبوں سے تو تیرے بھائی فرعون کے مصاحب اچھے تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کے متعلق فرعون سے کہا تھا کہ ان کے کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہئے یہ کیسے مصاحب ہیں کہ (محض خوشامد کی وجہ سے) بغیر سوچے سمجھے میرے قتل کا فتویٰ دے رہے ہیں...

حجاج نے یہ سوچ کر کہ ایک معصوم لڑکے کے قتل سے ممکن ہے سوزش عظیم نہ ہو جائے نہ صرف اس کے قتل کا ارادہ ملتوی کر دیا بلکہ اب خوف دلانے کے بجائے نرمی سے کام لینا شروع کیا اور کہا...

اے لڑکے! تہذیب سے گفتگو کر اور زبان کو بند کر... جا میں نے تیرے واسطے چار ہزار درہم کا حکم دے دیا ہے (اس کو لے کر اپنی ضرورتیں پوری کر لے)

لڑکا: مجھے درہم و دام کی کوئی ضرورت نہیں خدا تیرا منہ سفید اور تیرا ٹخنہ اونچا کرے...

حجاج نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ سمجھتے ہو اس کا مطلب کیا ہے؟ امیر ہم سے بہتر سمجھتا ہے... حجاج نے کہا اس نے اس فقرہ سے کہ خدا تیرا منہ سفید کرے میرے لئے کوڑھ کے مرض کی دعا کی ہے... اور ٹخنہ اونچا ہونے سے سولی لٹکانا مراد لیا ہے... حجاج نے لڑکے سے کہا: ہم نے تیری نوخیزی پر رحم کیا ہے اور تیری ذہانت و ذکاوت اور تیری جسارت د

جرأت کی وجہ سے تیری خطاء معاف کی ہے اس کے بعد لڑکے نے حجاج سے اور بھی باتیں کی اس کے چلے جانے پر اپنے مصاحبین سے کہا کہ خدا کی قسم! میں نے اس سے زیادہ دلاور اور سر بکف کسی کو نہیں پایا اور امید ہے کہ وہ بھی مجھ جیسا کسی کو نہ پائے گا...

پیارے بچو! آپ نے دیکھا کہ اس لڑکے نے کتنی جرأت اور بہادری سے حق بات وقت کے حکمران کے سامنے کہی ہے...حق بات کہنا اللہ کو پسند ہے اس لئے جس میں ہمت ہو اس کو موقعہ محل کے اعتبار سے صحیح اور حق بات کہہ دینی چاہئے چھپانی نہیں چاہئے اور ہمیشہ سچ بولنا چاہئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق اور سچ کہنے کی توفیق عطا فرمائے...آمین!

☆☆☆☆
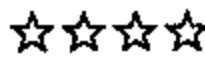
ایک ریاست کے ہندو راجہ کا انتقال ہو گیا...

اس کی اولاد میں ایک نابالغ بچہ تھا جو اس کا جانشین ہونا چاہئے تھا...

مرنے والے کے بھائی کو طمع ہوئی کہ ریاست مجھے ملنی چاہئے بچہ اس کو نہیں چلا سکتا، وزراء ریاست کی خواہش تھی کہ یہ بچہ ہی اپنے باپ کی ریاست کا وارث بنے...

معاملہ بادشاہ وقت عالمگیرؒ کی خدمت میں پیش ہونا تھا...

وزراء اس بچہ کو لے کر دہلی پہنچے اور راستہ میں بچہ کو ممکنہ سوالات کے جوابات سکھاتے رہے کہ بادشاہ تم سے یہ سوالات کریں تو تم یوں کہنا...

جب وہ سب اپنی تعلیم ختم کر چکے اور دہلی پہنچے تو بچے نے وزراء سے کہا کہ...

یہ سوالات و جوابات تو آپ نے مجھے بتلا دیئے اور میں نے یاد کر لئے لیکن اگر بادشاہ نے ان کے علاوہ کوئی اور سوال کر لیا تو کیا ہو گا...

وزراء نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ اتنے عقل مند ہیں ورنہ راستہ میں ہم آپ سے کچھ بھی نہ کہتے...بس اب ہمیں فکر نہیں جس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے اس کو جواب بھی اللہ ہی سکھلائے گا...

پھر ہوا یہ کہ جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو دربار برخواست ہو چکا تھا...

عالمگیرؒ اپنے زنانہ مکان میں چلے گئے تھے...اس بچہ کے پہنچنے کی اطلاع ملی تو اس کو

اندر مکان ہی میں بلالیا... اس وقت عالمگیرؒ گھر کے ایک حوض کے کنارہ پر تہبند باندھے ہوئے نہانے کے لئے تیار تھے... یہ بچہ حاضر ہوا تو ہنسی کے طور پر عالمگیرؒ نے بچہ کو دونوں بازو پکڑ کر حوض کی طرف اٹھایا اور کہا کہ حوض میں ڈبودوں...

بچہ یہ سن کر ہنس پڑا... بادشاہ نے اس کو نظر تادیب سے دیکھا تو بچہ بولا کہ مجھے ہنسی اس پر آ گئی کہ آپ کی ذات تو ایسی ہے کہ جس کی ایک انگلی پکڑ لیں اس کو کوئی دریا غرق نہیں کر سکتا، میرے تو آپ دونوں بازو تھامے ہوئے ہیں میں کیسے ڈوب سکتا ہوں... عالمگیرؒ نے اس کو گود میں اٹھالیا اور ریاست اس کے نام لکھ دی...

☆☆☆☆

معتصم باللہ خاقان کے پاس اس کی عیادت کو گئے اور فتح بن خاقان ابھی بچے تھے تو معتصم نے ان کو کہا...

امیر المؤمنین کا (میرا) گھر اچھا ہے یا تمہارے والد کا...

بچے نے جواب دیا...

امیر المؤمنین ہمارے والد کے گھر ہوں تو والد کا گھر ہی اچھا ہے...

پھر اپنے ہاتھ میں امیر نے نگینہ دکھایا اور پوچھا اس سے بہتر کوئی دیکھا ہے... بچے نے کہا ہاں وہ ہاتھ جس میں یہ نگینہ ہے... (کتاب الاذکیاء)

☆☆☆☆

باب ۵

برصغیر پاک وہند کے اکابرین امت کا بچپن

شیخ علاؤ الدین علاؤ الحق بنگالی لاہور میں اپنے وقت کے ولی تھے...ان کی خانقاہ تھی...ان کے بیٹے شیخ نورالحق نور قطب کے نام سے مشہور تھے...انہوں نے خانقاہ میں آنے والے تمام لوگوں کی خدمت اپنے ذمے لے رکھی تھی...ان کے برتن دھوتے...کپڑے دھوتے...ان کیلئے پانی گرم کرتے...کوئی بیمار ہو جاتا تو رات دن اس کی تیمار داری کرتے... کھانا پکانے کیلئے لکڑیاں بھی کاٹ کر لاتے...

ایک روز ان کے والد نے ان سے کہا...

نورالحق جس جگہ کنویں سے عورتیں پانی نکالتی ہیں وہاں پھسلن بہت ہوتی ہے...ان کے پاؤں پھسل جاتے ہیں برتن ٹوٹ جاتے ہیں...تم انہیں پانی نکال کر دے دیا کرو...

حضرت نور قطب عالم چار سال تک یہ خدمت بھی انجام دیتے رہے... پانی نکال نکال کر حوض میں ڈالتے جاتے اور وہاں سے ضرورت مند بھرتے جاتے...ان کے بڑے بھائی حکومت وقت کے وزیر تھے...چھوٹے بھائی کو اس طرح کام کرتے دیکھتے تو کہتے...

یہ تم کس جنجال میں پڑ گئے ہو...میرے پاس آ جاؤ...تمہیں کوئی اعلیٰ عہدہ دلوا دوں گا...نورالحق ان کی بات ہنس کر ٹال دیتے اور کہتے...

خانقاہ کی خدمت میرے لئے وزارت سے بہتر ہے...اپنے والد کی وفات کے بعد لوگ ان کے گرد رہنے لگے...لوگوں کو ان سے بے پناہ عقیدت بھی ہوگئی...ایک روز کہیں جا رہے تھے...لوگوں کو خبر ملی تو راستے کے دونوں طرف آ آ کر کھڑے ہو گئے...یہ دیکھ کر آپ رونے لگے...لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا...

آج اللہ تعالیٰ نے اس قدر لوگوں کے دل ہماری محبت سے بھر دیئے...سب کس قدر

احترام کرتے ہیں...لیکن نہ جانے آخرت میں ہمارا کیا حال ہوگا...

خلیفہ ہارون رشید نے اپنے دونوں بیٹوں امین اور مامون کو حدیث کا علم حاصل کرنے کیلئے عبداللہ بن ادریس اور حضرت عیسیٰ بن یونس کی خدمت میں بھیجا... پہلے دونوں عبداللہ بن ادریس کی خدمت میں گئے...انہوں نے دونوں کے سامنے ایک سو احادیث سنائیں...جب استاد خاموش ہوگئے تو مامون نے کہا...

☆☆☆☆

مولانا رشید احمد گنگوہی اپنے بچپن میں بخار میں مبتلا ہو گئے...بخار لمبا ہو گیا... یہاں تک کہ ایک سال تک بخار نے پیچھا نہ چھوڑا... بیماری کے دنوں میں علاج کرنے والے حکیم صاحب نے صرف مونگ کی دال کھانے کی اجازت دی... باقی تمام چیزوں سے پرہیز کرنے کیلئے کہا...آپ نے اس قدر طویل مدت تک مونگ کی دال سے روٹی کھائی... یا مونگ کی دال کی کھچڑی کھائی... نہ کبھی اکتائے... نہ گھبرائے... نہ شکایت کی... نہ رونی صورت بنائی... نہ دوسری چیزوں کی خواہش کی... نہ صرف ایک چیز کے مسلسل کھانے پر غم وغصے کا اظہار کیا...نہایت مستقل مزاجی اور صبر وسکون سے دال کھاتے رہے...

آپ ابھی سات سال کے نہیں ہوئے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا...آپ شروع ہی سے نماز کے پابند تھے...اور نماز پڑھنے کا بہت شوق تھا...نماز کا وقت ہوتا تو فوراً مسجد میں آتے اور باجماعت نماز ادا کرتے تھے... مطلب یہ کہ کھیل کود کے زمانے میں بھی آپ کو نماز کا اتنا شوق تھا...

ایک روز آپ ٹہلتے ٹہلتے جنگل کی طرف جا نکلے...شام کا سہانا وقت تھا...ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دل کو فرحت بخش رہے تھے... یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا...انہیں فوراً مغرب کی نماز کا خیال آیا...اسی وقت گھر کی طرف تیز تیز قدم اٹھانے لگے اگرچہ عمر صرف چھ اور سات سال کے درمیان تھی... پھولوں کی ٹہنیاں آپ کے ہاتھ میں تھیں اور جلد جلد مسجد کی طرف قدم اٹھا رہے تھے... پہلے گھر پہنچے...اماں سے بولے...

اماں یہ ٹہنیاں پکڑیں میں نماز پڑھنے جاتا ہوں...

جھپٹتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے انہوں نے کافی تیزی دکھائی تھی لیکن جماعت

کھڑی ہو چکی تھی... وضو کیلئے پانی لینے کنویں پر آئے تو لوٹے خالی تھے... وضو میں دیر ہوتی نظر آئی تو گھبرا گئے... ڈول کنویں میں ڈالا... دھیان نماز کی طرف تھا اور ہاتھ ڈول کی رسی پر پریشانی کے اس عالم میں... رسی پاؤں میں الجھ گئی اور حضرت گنگوہی کنویں میں گر گئے...

کنویں کی منڈیر سے کنویں کے اندر گرنے کا خیال کیجئے اللہ تعالیٰ کی اس حالت میں مہربانی دیکھئے کہ آپ کو ذرا چوٹ نہ آئی... پہلے پانی میں نیچے گئے پھر پانی نے انہیں اوپر اچھال اور آپ کو کنویں کی تہہ میں ابھری ہوئی سطح پر لا ڈالا...

اب چونکہ ڈول کی رسی آپ کے ساتھ ہی کنویں میں آ گری تھی اس لئے قدرت نے ڈول کو الٹا دیا تھا آپ اس ڈول پر بیٹھ گئے... اب ڈول پانی سے تیر رہا تھا اور آپ اس پر بیٹھے تھے... اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی آپ کے جسم پر خراش تک نہ آئی...

آپ کے گرنے سے دھماکہ ہوا... اس وقت تک نماز کی ایک رکعت نکل چکی تھی... آخر نمازی سلام پھیر کر کنویں کی طرف آئے... حضرت کی دادی کے بھائی نے کنویں میں گرنے والے بچے کو دیکھ کر کہا...

یہ تو رشید احمد لگتا ہے... اب وہ کنویں کے گرد مجمع جمع ہو گیا... سب ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے ہکا بکا کھڑے تھے کہ کنویں سے آواز آئی...

گھبرایئے نہیں میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں...

آخر رسی میں باندھ کر پیڑھا لٹکایا گیا اور اس کے ذریعے آپ کو باہر نکالا گیا تھا... آپ بالکل صحیح سلامت تھے... بس چھوٹی انگلی پر معمولی سی رگڑ لگی تھی...

یہ تھا مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا بچپن... اس واقعے سے ان کی نماز کا شوق اور مصیبت میں نہ گھبرانا ثابت ہوتا ہے...

☆☆☆☆

انتہائی کم عمری کا زمانہ تھا... ایک دن والد کے ہمراہ قریبی مسجد میں پہنچے... دو نمازی آپس میں بحث کر رہے تھے کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا یا صرف روح کو ہوگا روح اور بدن دونوں کو عذاب ہونے کی دلیل دی گئی کہ باغ میں نابینا اور لنگڑا چوری کرنے

کیلئے گئے... نابینا نے لنگڑے کو خود پر سوار کرلیا اور یوں دونوں نے مل کر پھل توڑے جب باغبان آیا تو دونوں گرفتار کر لئے گئے...

یہ بچہ اپنی علمی منازل طے کرتا رہا... ایک دن دوران مطالعہ تذکرۃ القرطبی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مثال مذکور دیکھی تو انتہائی بچپن کا یہ واقعہ یاد آ گیا... (انوار انوری)

ایک مرتبہ بچپن میں اسلامی علوم کی اہم کتب زیر مطالعہ تھیں جن پر دوران مطالعہ مفید پوائنٹ بھی درج کئے گئے تھے... ایک بڑے عالم نے بچپن کی ذکاوت اور کمال فہم دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ بچہ اپنے وقت کا رازی اور زمانہ کا غزالی ہوگا...

نو برس کی عمر میں اسلامی علوم سے بہرہ ور ہو کر بارہ سال کی عمر تک فتویٰ نویسی جیسے عظیم عہدہ پر فائز ہونے والی یہ شخصیت حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی ہے اور یہ ہے آپ کے بچپن کے سنہری دور کی جھلکیاں...

☆☆☆☆
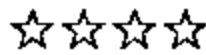
ساری زندگی کی طرح ان کا بچپن بھی مثالی تھا... اس عمر میں جبکہ بچے کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں ان کو کبھی ہم عمروں کے ساتھ کھیلتے نہیں دیکھا گیا...

فطری ذوق پر دین غالب تھا... مسجد میں لوگوں کو باجماعت نماز ادا کرتے دیکھتے تو اسی مبارک عمل کی نقل اتارتے... کبھی بازار میں اور کبھی جنگل میں پہنچ کر وعظ و نصیحت کی مجلس بنا لیتے...

بارہ تیرہ برس کی عمر ہی کیا ہے؟ لیکن اس لڑکپن ہی سے تہجد کی عادت پختہ تھی... اس دینی محنت کو جب نانی صاحبہ دیکھتیں تو ان کی شفقت غالب آ جاتی لیکن یہاں طبیعت پر دین اور سعادت غالب تھی...

یہ تہجد گزار بچہ اپنے وقت میں حکیم الامت مجدد الملت کے عہدہ پر فائز ہوا اور آج بھی ان کی سینکڑوں کتب بڑی مفید ہیں... یہ تھے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ...

☆☆☆☆
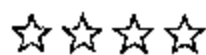
گھر میں غربت تھی... تعلیمی اخراجات اور تعلیم کا شوق...اللہ تعالیٰ نے ذہانت اور حافظہ بھی خوب دیا تھا... معمولی محنت سے بنا تمام امتحانوں میں فرسٹ پوزیشن لیتے تھے... تعلیم کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے ٹوپیاں بنا کر خود کماتے اور یوں مسلسل اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھے رہے...

آج بھی نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود بچوں کی دینی تعلیم کیلئے آپ کی لکھی ہوئی کتاب ''تعلیم الاسلام'' نہایت مقبول ہے... آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ درج بالا واقعہ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے بچپن کا ہے...

☆☆☆☆

رات بھر مطالعہ کا معمول تھا لیکن نیند کا غلبہ کم کرنے کیلئے نمکین چائے کا انتظام تھا... جب بھی نیند آنی شروع ہوتی چائے پی لیتے اور گھنٹہ دو گھنٹہ کیلئے طبیعت بشاش ہو جاتی...

زمانہ طالب علمی میں اس قدر محنت کرنے والے طالب علم کو آج بھی دنیا شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے نام سے جانتی بھی ہے اور مانتی بھی ہے...

☆☆☆☆

حضرت والد صاحب کی کڑی نگرانی سے طبیعت میں یکسوئی اور مطالعہ کا شوق پیدا ہو گیا تھا... کتابوں کے مطالعہ اور تعلیمی مصروفیت میں وقت گزرتا...

ایک مرتبہ کسی نے مسجد سے نیا جوتا اٹھا لیا... چونکہ تمام وقت مسجد اور مدرسے میں گزرتا تھا اور بیت الخلاء میں جانے کیلئے پرانے جوتے موجود رہتے تھے... اس لئے نیا جوتا خریدنے کی نوبت نہ آئی اور یوں چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا...

اس طرح مثالی انداز میں بچپن گزارنے والی شخصیت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کی تھی...

☆☆☆☆

بارہ تیرہ برس کی عمر کھیل کود کا زمانہ سمجھا جاتا ہے... لیکن مولانا اس کم عمری میں بھی تعلیم کے علاوہ مہمانوں کی خدمت اور طلباء کا کھانے پکوانے اور دیگر مشاغل میں مصروف رہتے... اس

زمانہ میں بستی نظام الدین اولیاء میں مہمانوں کی کثرت رہتی تھی... آپ طلبا کے ساتھ آٹا گوندھنے... مصالحہ پیسنے اور جنگل سے جلانے کی لکڑیاں لانے کی خدمات سرانجام دیتے...

ایک مرتبہ جنگل سے لکڑیاں لانے کی باری مولانا کی تھی... آپ جو لکڑی لائے وہ تازہ اور گیلی تھی اسے جلانے کیلئے آپ بار بار ہوا پھونکتے رہے لیکن لکڑی آگ نہ پکڑتی تھی... حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ دور سے بیٹھے یہ ایمان افروز نظارہ دیکھتے رہے پھر تشریف لائے اور گیلی لکڑیوں میں کاغذ رکھ کر جلائے جس سے آگ جلی اور تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ "ہر کام سیکھنے سے آتا ہے"...

نہایت جفاکشی سے سعادتوں کو حاصل کرنے والے مولانا "حضرت جی" کے لقب سے مشہور ہیں اور پورا نام مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ ہے... آپ کی یادگار "حیاۃ الصحابہ" آج بھی پوری دنیا کے دینی حلقوں میں پڑھی جاتی ہے...

☆☆☆☆
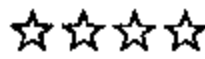
گھر پہنچنے پر والدہ نے کہا...

بیٹا آج گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں ہے... ہاں ہماری گندم کی فصل تیار کھڑی ہے... اگر تم اس گندم کو کاٹ کر لاؤ تو میں آٹا پیس کر روٹی پکادوں...

سعادت مند بیٹا سخت گرمی میں اپنی زمین کی طرف چل پڑا... وہ اپنے ننھے وجود پر جس قدر بوجھ اٹھا سکتا تھا گندم کاٹ کر لے آیا...

والدہ نے چھان کر آٹا بنایا اور روٹی پکائی... اس طرح ظہر کے بعد کچھ کھانے کا سامان ہوا... اس قدر مشقت کے بعد بیٹے نے آرام نہیں کیا بلکہ ظہر کے بعد اپنی تعلیم کیلئے چل پڑا... والدین اور بیٹے نے یوں وقت گزارا لیکن اس بچے نے اپنی پڑھائی میں فرق نہ آنے دیا... یہ بچہ دارالعلوم دیوبند کا فاضل مولانا محمد یاسین صاحب رحمہ اللہ تھے...

☆☆☆☆
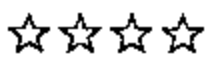
وہ کھیل کود کے زمانہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل رہے تھے... ایک روز والد صاحب آئے اور ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے آئے... گھر میں کچھ بزرگ شخصیات آئی ہوئی تھیں...

ان میں سے ایک نحیف و بزرگ شخصیت نے کچھ مبارک کلمات کہلوائے میں نے سب کے سامنے وہ کلمات دہرائے... کچھ دیر بعد تمام مہمان روانہ ہو گئے...

کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ بزرگوں کی یہ مجلس ایک سعادت مند بچے کی بسم اللہ کی تقریب تھی... بسم اللہ کرانے والی بزرگ شخصیت حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تھے اور وہ خوش قسمت بچہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تھے...

☆☆☆☆

رات کو جلد سونا اور صبح جلد اٹھنا زندگی کی سعادت کی پہلی علامت ہے... والد صاحب کا معمول رات کو پچھلے پہر بیداری کا تھا...

دس گیارہ برس کی عمر ہی کیا ہے؟ لیکن بہنوں سے اس عمر میں یہی التجا کرتے کہ مجھے صبح جلدی بیدار کر دیں... صبح اندھیرے میں اٹھتے اور اپنا سبق یاد کرتے... بچپن کی نیند ہمیشہ غالب رہتی لیکن وہ اس سے لڑتے رہتے...

والد صاحب ان کی صحت کے خیال سے اس قدر جلدی بیدار ہونے سے روکتے لیکن انہیں جلدی بیدار ہونے کا ایسا شوق سوار تھا کہ جس دن دیر سے آنکھ کھلتی مولانا دن بھر پشیمان رہتے... یہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے بچپن کا واقعہ ہے (غبار خاطر)

☆☆☆☆

گھر کے ماحول کی پاکیزگی سنئے!

اتنی کم سنی کا زمانہ تھا کہ گھر کی خادمہ گود میں لئے پھرتی تھی... ایک دن ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے ہمراہ کتا لئے جا رہا ہے... معصوم بچے نے سوال کیا...

یہ کتا کیوں لئے پھرتے ہو؟

وہ بولا اس میں کون سا گناہ ہے...

بچے نے معصومیت سے کہا کہ حدیث میں ہے جہاں کتا ہو وہاں فرشتہ نہیں آتا... وہ شخص بولا اسی لئے تو کتا پالا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے نہ فرشتہ آئے گا نہ میں مروں گا...

لیکن ماحول کی پاکیزگی اور دل میں اللہ کی محبت ہو تو پھر ٹیڑھے سوالوں کے جواب بھی

ذہن میں آجاتے ہیں اور عقل کامل ہو جاتی ہے جبکہ گناہوں کی نحوست سے بڑوں کی عقل پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے... بچہ نے کہا اگر یہی بات ہے تو ایک دن اس کتے نے بھی مرنا ہے...

بس جو فرشتہ اسے مارنے آئے گا وہ تیری روح بھی قبض کرلے گا...

یہ بچہ کون تھا؟ خاندان ولی اللہی کا چشم و چراغ معرکہ حق و باطل کا عظیم مجاہد...

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تھے... (اللہ کے باغی مسلمان)

☆☆☆☆

شکاری اپنی بچی کے ہمراہ دریا کے کنارے مچھلی کا شکار کرتا... جو بھی مچھلی شکار کرتا بچی کے قریب رکھی جھولی میں ڈال دیتا... ادھر وہ بچی اس مچھلی کو پکڑ کر دوبارہ دریا میں ڈال دیتی...

کافی دیر شکار کے بعد جب جھولی خالی ملی تو اس نے بچی سے پوچھا...

شکار شدہ مچھلیوں کا کیا ہوا وہ کہاں ہیں؟

بچی بولی...

ابا جان میں نے ایک مرتبہ آپ سے حدیث سنی تھی کہ کوئی مچھلی جال میں نہیں پھنستی مگر جب وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہوتی ہے...

اس لئے میں نے سوچا کہ ایسی چیز کو غذا نہ بنایا جائے جو اللہ کی یاد سے غافل ہو...

اس عقلمند بچی کا جواب سن کر وہ بے اختیار رو پڑے... یہ واقعہ ابوالعباس ابن المسروق کا بیان کردہ ہے جنہوں نے یمن میں خود اس واقعہ کو دیکھ کر بیان کیا ہے...

☆☆☆☆

امیر المومنین نے اپنے صاحبزادے کو بوسیدہ کپڑوں میں دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آگئے...

صاحبزادہ نے پوچھا

ابا جان آپ کو کس فکر نے پریشان کیا ہے؟

امیر المومنین نے فرمایا...

مجھے ڈر ہے کہ جب دوسرے لڑکے تمہیں اس پھٹے پرانے لباس میں دیکھیں گے تو کہیں تمہارا دل نہ ٹوٹ جائے...

سعادت مند بچے نے جواب دیا...

ابا جان! دل تو اس شخص کا ٹوٹتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو اور اس کے والدین اس سے ناراض ہوں جبکہ مجھے امید ہے کہ آپ کی رضامندی سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے راضی ہونگے...

اس خوش نصیب و عقلمند بچے کے والد جو کہ وقت کے امیر المومنین تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہیں...

☆☆☆☆

بارہ برس کی عمر میں حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ کی مجالس میں شرکت فرمائی جس میں سورہ فاتحہ کی تفسیر اور مثنوی شریف کے اشعار ہوتے تھے...

پوری مجلس میں اسی بات پر زور ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگوں سے تعلق پیدا کر کے اپنی اصلاح کرائی جائے...

ان مجالس کا یہ اثر ہوا کہ اس کم سنی کی عمر میں ہی اللہ والوں کے تعلق کا نشہ سوار ہو گیا اور مرشد حق کی تلاش کسی کروٹ چین نہ لینے دیتی...

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور یہ بچہ کم سنی کی عمر میں ہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت مولانا مسیح الامت رحمہ اللہ کے دامن فیض سے وابستہ ہو گیا...

یہ خوش نصیب بچہ سکھر کا رہائشی تھا جسے آج دنیا حضرت حاجی محمد فاروق سکھروی رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے...

☆☆☆☆

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے پوچھا...

تمہاری عمر کیا ہے؟

بچے نے کہا بارہ سال... پھر فرمایا کہ ممانی محرم ہے یا نامحرم؟

اس سوال و جواب کے بعد اس بچے نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے گھر جانا بند کر دیا اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی اہلیہ سے پردہ کرنا شروع کر دیا...

یہ بچہ وہ ہے جو صرف اڑھائی سال کی عمر سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے گھر میں

پرورش پا رہا تھا اور کوئی اجنبی نہیں بلکہ حضرت کا حقیقی بھانجا تھا...
لیکن گھر کے دینی ماحول نے ایسی تربیت کی تھی کہ شرعی احکام کی پابندی نہایت آسان ہوگئی تھی...

یہ بچہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب رحمہ اللہ تھے...(مجالس ابرار)

☆☆☆☆

عیسائی مدرسہ میں دو بچے زیر تعلیم تھے وہ دونوں بھائی تھے...
عیسائی معلم انہیں اپنے عقائد کے مطابق شرکیہ تعلیم دیتے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ دونوں خدا ہیں...
جب دونوں بھائی یہ بات سنتے تو ایک بھائی چیخ چیخ کر پکارتا
کہ اللہ ایک ہے...اللہ ایک ہے...
ایک دن معلم نے اس توحید پرست بچے کو اس قدر پیٹا کہ وہ مدرسہ چھوڑ کر کہیں چلا گیا...
اس کی والدہ روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کو لوٹا دیں تو وہ جس دین پر ہوگا میں راضی رہوں گی...
کئی سالوں کے بعد گھر کے دروازے پر دستک ہوئی...دیکھا تو وہی گم شدہ بچہ تھا۔ ماں نے اپنے لخت جگر کو سینے سے لگا لیا...پھر پوچھا تم کس دین پر ہو...
فرمایا دین اسلام پر...
یہ سن کر والدہ اور دوسرے بھائی کی زبان حرکت میں آئی اور وہ بولے
"اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"...
بچپن ہی میں ولایت پر فائز ہونے والا یہ خوش نصیب بچہ حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کے نام سے معروف ہیں...(صفوۃ الصفوہ)

☆☆☆☆

اللہ والوں کا بچپن بھی کس قدر نصیحت آموز ہوتا ہے...

بچپن میں ان کے ہم عمر لڑکے انہیں گالیاں دیتے...

یہ سن کر خاموش رہتے یا زیادہ سے زیادہ اتنی بات فرماتے تم ہی ہوگے ایسے...

یہ جواب بھی بچپن کا تھا اور بعد میں اس جواب سے بھی گریز کرتے...

یہ بزرگ شخصیت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے معروف استاد حضرت مولانا سعید احمد صاحب دہلوی رحمہ اللہ تھے...

واقعی اللہ والوں کا یہی طریقہ رہا ہے...(خطبات حکیم الامت)

☆☆☆☆

دہلی کے ایک سفر میں تینوں ہمراہ تھے...یعنی دادا...بیٹا اور پوتا...

فتح پور کی مسجد میں نماز ادا کرنے کیلئے جانا ہوا...

واپسی پر بیٹے نے اپنے والد کے جوتے اٹھا لئے...مگر دادا کے جوتے نہیں اٹھائے...

یہ دیکھ کر دادا نے پوچھا کیوں بھئی یہ کیا؟

تم نے اپنے والد کے جوتے تو اٹھا لئے مگر میرے جوتے؟

پوتے نے جواب میں اپنے والد کی طرف اشارہ کر کے کہا

آپ کے جوتے یہ اٹھائیں گے...

یہ واقعہ مولانا ذکی کیفی رحمہ اللہ کا ہے جو مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے تھے ان کے دادا کا نام مولانا محمد یٰسین دیوبندی رحمہ اللہ ہے...(نقوش رفتگاں)

☆☆☆☆

ماحول بچوں پر کیا اثر کرتے ہیں...سنئے...

ابھی بچپن ہی تھا کہ وہ ''پیر صاحب'' کے لقب سے مشہور ہوگئے اور اپنے اردگرد بچوں کو بٹھا کر کے بیعت کرتے تھے...

فرماتے تھے کہ میں ایک دن کتب خانہ میں بیٹھا...بچوں کو بیعت کر رہا تھا جیسے بچے کھیل کھیلتے ہیں یہ بھی میرے لئے ایک کھیل تھا...

اتنے میں حضرت مدنی رحمہ اللہ تانگے سے اتر کر ہمارے پاس آئے اور فرمایا...

مجھے بھی بیعت کرلیں... میں نے بلا تکلف کہہ دیا...

آجایئے... اور یوں حضرت مدنی رحمہ اللہ کو بیعت کرلیا...

اس کے بعد سے میرا لقب ''پیر صاحب'' پڑ گیا...

حضرت مدنی رحمہ اللہ بھی از راہ شفقت پیر صاحب ہی کہہ کر پکارتے...

یہ بچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کا صاحبزادہ مولانا محمد طلحہ صاحب رحمہ اللہ تھے...

☆☆☆☆
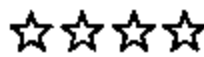
ایک شخص رنگون (ہندوستان) میں آیا... جس کے ہمراہ اس کی چار سالہ لڑکی تھی اس شخص نے بتایا کہ...

یہ مادرزاد حافظہ ہے... آپ جہاں سے چاہیں اس سے سن لیں...

چنانچہ رنگون کے لوگوں نے بہت سے مقامات پر اس کا امتحان لیا تو واقعی اسے مادرزاد حافظہ ہی پایا...

رنگون کے لوگوں نے اس لڑکی کو بہت انعام دیا اور اس کے باپ کی آمدنی انہی انعامات ہی سے تھی...

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ خود میرا دیکھا ہوا ہے جبکہ میرا قیام مدرسہ راندیریہ رنگون میں تھا...

فرماتے ہیں میں نے اس کے والد کو کہا کہ اس کو آمدنی کا ذریعہ نہ بناؤ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لڑکی زیادہ نہ جئے گی...

فرماتے ہیں کہ میرا خیال صحیح نکلا... چنانچہ اگلے سال میں نے سن لیا کہ اس بچی کا انتقال ہوگیا... (سیارہ ڈائجسٹ)

☆☆☆☆

تیرہ برس کی عمر میں والد صاحب کا انتقال ہوا...

اس سے طبیعت پر ایسی کیفیت اور صدمہ طاری ہوا کہ تعلیم سے طبیعت اچاٹ ہوگئی...

چنانچہ کئی کئی دن آپ پر غشی کے دورے پڑتے تھے...

حصول علم کیلئے دہلی سے پانی پت چلے آئے لیکن یہاں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا... بے پرواہی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس سال تراویح میں قرآن مجید بھی نہ سنا سکے...

کئی مرتبہ خواب میں والد صاحب کی زیارت ہوئی تو ان کی بے رخی اور ناراضگی دیکھی جس کا یہ اثر ہوا کہ بلاناغہ قرآن مجید کی تلاوت شروع کردی جس میں عمر بھر ناغہ نہ ہونے دیا...

تعلیم سے بے پرواہی پر والدہ صاحبہ بھی غمگین رہتیں...

ایک دن آپ کو پاس بلوا کر نہایت محبت وشفقت سے سمجھاتی رہیں... جب ان کی طبیعت بھر آئی تو وہ رونے لگیں... انہیں روتا دیکھ کر آپ بھی رونے لگے...

اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ تمام غیر ضروری کاموں کو چھوڑ کر پوری توجہ سے علم میں مصروف ہوئے... لیکن اس کے ظاہری اسباب میسر نہ تھے...

ایک دن خواب میں والد صاحب کی زیارت ہوئی آپ نے سارا واقعہ سنایا... والد صاحب نے فرمایا...

اب ہم سے کچھ توقع بے کار ہے... کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا...

ایک مرتبہ خواب میں والد صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا میرے ساتھ آؤ...

پھر وہ مجھے خواب ہی کی حالت میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور عرض کی...

''فداک ابی وامی یارسول اللہ عبدالرحمٰن حاضر ہے...

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت چوکھٹ کی دہلیز پر اس کا سرا پکڑے جلوہ افروز تھے...

چنانچہ آپ نے دست مبارک بڑھایا اور مجھے اپنے سینہ سے چمٹالیا... خود فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم سکھا دیا جو نہ کسی کے دل میں گزرا نہ بیان اس کا احاطہ کرسکتا ہے...

خواب سے بیداری پر یہ حالت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے علم کیلئے ایسا سینہ کھول دیا کہ

مشکل سے مشکل کتاب بھی نہایت آسان معلوم ہونے لگتی...

مولانا ابراہیم کرنالی کا بیان ہے کہ

آپ کے سینہ مبارک کی زیارت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا... بے ساختہ یہ گمان ہوتا کہ بلور کا ایک حوض تجلیات وانوار کی لہریں لے رہا ہے...

رات کی تاریکی میں بھی سینہ چمکتا تھا اور چراغ کا عکس دکھائی دیتا تھا... یہ سب اسی خواب کی برکت ونورانیت تھی...

یہ خوش نصیب صاحب علم حضرت مولانا عبدالرحمٰن محدث پانی پتی رحمہ اللہ تھے...

☆☆☆☆
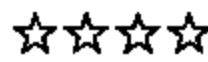
پانی پت کے مایہ ناز قاری حضرت محی الاسلام عثمان رحمہ اللہ ہر سال تراویح میں قرآن مجید سنایا کرتے تھے...

ایک مرتبہ دوران تراویح کسی نے لقمہ دیدیا... یعنی غلطی بتادی...

نماز کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ کس نے لقمہ دیا ہے؟ اس سوال پر آپ کے سامنے ایک بچہ پیش کیا گیا جس نے لقمہ دیا تھا...

حضرت قاری صاحب بچہ کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا...

اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو بہت اونچے مقام تک پہنچانا ہے اور اس سے قرآن کریم کی بہت زیادہ خدمت لینی ہے...

بالآخر یہ بچہ وقت کے بڑے بڑے قراء حضرات کی خدمت میں رہا اور قرأت کی تعلیم حاصل کی...

یہ خوش نصیب بچہ... حضرت استاذ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتی رحمہ اللہ تھے...

آپ کو بچپن ہی میں یہ کمال بھی حاصل تھا کہ قرآن مجید اس قدر پختہ یاد تھا کہ کسی بھی سورت یا رکوع کی آیات آخر سے اول کی طرف بھی آسانی سے سنا سکتے تھے...

☆☆☆☆
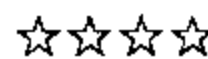
انگریز حاکم مدرسہ میں وارد ہوا اور پوچھا...

بچے کون سی کتاب پڑھ رہے ہیں...

استاد نے بتایا قرآن مجید...

پھر پوچھا کیا ان میں سے کسی بچے نے پورا قرآن حفظ کرلیا ہے...

استاد نے کہا ہاں اور چند بچوں کی طرف اشارہ کیا...

انگریز حاکم نے کہا ان میں سے ایک لڑکے کو بلاؤ اور قرآن مجید مجھے دکھاؤ... میں امتحان لوں گا...

استاد نے کہا...

آپ خود جس بچے کو چاہیں بلا کر امتحان لے لیں... چنانچہ اس نے تیرہ چودہ برس کے ایک لڑکے سے چند جگہوں سے قرآن مجید سنا تو حیران ہوتے ہوئے کہنے لگا...

میں گواہی دیتا ہوں کہ جس طرح قرآن کیلئے تواتر (حفاظت) ثابت ہے کسی بھی کتاب کو ایسی حفاظت میسر نہیں کہ محض ایک کم عمر کے لڑکے کے سینہ میں یہ پوری کتاب محفوظ ہو جاتی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ الفاظ اور اعراب کی صحت بھی برقرار رہتی ہے... اگرچہ بظاہر اس طرح مکمل کسی کتاب کا حفظ کرنا ناممکن ہے...

یہ سہارنپور انڈیا کے ایک مدرسہ کا واقعہ ہے... (بائبل سے قرآن تک)

☆☆☆☆

حضرت سری سقطی اور حضرت جنید بغدادی رحمہم اللہ دونوں اکٹھے ایک پارسا خاتون کے پاس آئے اور انہیں صبر کی تلقین کرنے لگے...

عورت حیران کہ آج کیسے خلاف عادت صبر کی باتیں کہی جارہی ہیں...

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا...

آج اللہ تعالیٰ کی مرضی اور قضا سے تمہارا وہ بچہ جو مکتب میں قرآن مجید پڑھنے جایا کرتا تھا پانی میں ڈوب گیا ہے...

اس خاتون نے یہ بات سنی تو کہا...

حضرت ایسا واقعہ نہیں ہے اچھا مجھے ساتھ لے چلو ذرا میں وہ جگہ دیکھ لوں... جہاں میرا بچہ ڈوبا ہے...

سب لوگ عورت کے ہمراہ دریا کے کنارے گئے اور اشارہ کر کے بتایا کہ یہاں تمہارا بچہ ڈوبا ہے...

عورت نے جوش محبت میں اپنے بچے کا نام پکارا...

بچے نے پانی کی تہہ میں سے ماں کو جواب دیا...

وہ عورت جھٹ پانی میں کود پڑی اور خدا کے فضل سے اپنے بچہ کو زندہ سلامت باہر نکال لائی...

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے جنید بغدادی رحمہ اللہ سے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟

حضرت بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا...

یہ اس خاتون کی اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم میری الفت ومحبت کو اپنے دل میں زندہ رکھو تو میں تمہاری پیارو محبوب چیزوں کو دریا کی تہہ میں بھی زندہ رکھوں گا... (اسرار المحبہ الغزالی)

☆☆☆☆

ابا جی! آج میری سالگرہ ہے

یہ بات سن کر شفیق والد کے چہرے پر محبت ہی محبت چھا گئی...

پھر انتہائی دلآویز تبسم سے پوچھا..... اب تمہاری عمر کیا ہے؟

میں نے عرض کیا...

چونتیس سال پورے ہو گئے...اس پر ایک لمحہ توقف کے بعد فرمایا...

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے تھوڑی سی عمر میں بہت سے مراحل سے گزار دیا... یہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی وفات سے پانچ دن قبل کی گفتگو ہے جو انہوں نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ سے فرمائی... (نقوش رفتگاں)

☆☆☆☆

برخوردار سلمہ...... السلام علیکم مع الدعا

''تمہارے حروف دیکھ کر دل خوش ہوا.. تمہاری علمی و عملی ترقی کی دعا کرتا ہوں...

خط ذرا اور صاف کرلو، اس سے مکتوب الیہ (جس کی طرف خط لکھا گیا ہو) کو بھی سہولت وراحت ہوتی ہے... اس نیت سے ثواب بھی ملتا ہے...

دیکھو! میں تم کو بچپن سے صوفی بنا رہا ہوں''

یہ تحریر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ہے جو انہوں نے مولانا ذکی کیفی رحمہ اللہ کے خط کے جواب میں لکھی کس قدر خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں بچپن ہی سے اولیاء وقت کی دعائیں مل جائیں...

☆☆☆☆

حضرت میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں

حضرت کا معمول بچوں کو بیعت کرنے کا نہ تھا... اس لئے حضرت نے فرمایا......

بیعت خالی ہاتھ تھوڑے ہی ہوتے ہیں امرود لے آؤ تو بیعت کریں...

وہ موسم ایسا تھا کہ بازار میں امرود نہیں آرہے تھے... حضرت نے یہ بات انہیں ٹالنے کے لئے فرمائی تھی... لیکن یہ کیا؟

یہ خوش نصیب بچہ اٹھا اور بازار سے امرود لے کر حاضر ہوا...

حضرت نے دیکھا تو بڑا تعجب ہوا...

بیعت کا وعدہ بھی فرما چکے تھے اس لئے بیعت کرنے پر راضی ہو گئے...

بچہ نابالغ تھا جس سے ہدیہ قبول کرنا اس کے والدین کی اجازت کے بغیر جائز نہ تھا...

حضرت نے بچہ سے فرمایا... جاؤ اپنے والدین سے پوچھ کر آؤ...

بچہ مجلس سے اٹھا اور فوراً والدین کی طرف سے اجازت کا پروانہ لے آیا...

پھر حضرت نے باقاعدہ اس نابالغ بچے کو بیعت کرلیا...

یہ خوش نصیب بچہ مولانا محمد ذکی کیفی رحمہ اللہ تھے...

اس بیعت کے کچھ عرصہ بعد مولانا کے والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں لکھا...

محمد زکی سلمہ کیلئے الحمدللہ مرید ہونے کی کھلی ہوئی برکت ظاہر ہوئی کہ نماز کا بہت شوق ہو گیا... عشاء کی نماز کے وقت پہلے سو جاتا تھا اب بیٹھا ہوا انتظار کرتا رہتا ہے...

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جواب میں تحریر فرمایا...

ماشاء اللہ دعا کیجئے مجھ کو بھی اس بے گناہ بچے کی برکت نصیب ہو اور ہمت عمل اور استقامت واخلاص عطا ہو... (نقوش رفتگاں)

☆☆☆☆

پیارے بچو! آج ہم آپ کو ایک ایسے بچے کی کچھ گفتگو سنانا چاہتے ہیں جس نے صرف پانچ سال کی عمر میں پورا قرآن مجید صرف یاد ہی نہیں کیا بلکہ اتنی مہارت حاصل کی کہ گفتگو میں بھی قرآنی آیات استعمال کرتا ہے... اس واقعہ کو پڑھ کر ان شاء اللہ آپ میں بھی قرآن مجید پڑھنے کا شوق پیدا ہوگا...

جناب محمد حسین السلام علیکم!

ج: سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ...

رب مہربان کی طرف سے سلام کا پیغام آئے... (سورہ یاسین، آیت ۵۸)

س: اپنا تعارف کرائیں...

ج: اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ (بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں) (مریم... ۳۰)

(اپنا تعارف کروانے کی بجائے انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیہ کریمہ پڑھتے ہوئے اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہا)

س: آپ کا مزاج کیسا ہے؟

ج: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا..

اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہیں کر سکو گے... (نحل، ۱۸) (ابراہیم، ۳۴)

س: آپ کی عمر کیا ہے؟

ج: وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ..

کوئی پانچ افراد ایسے نہیں ہوتے مگر وہ اللہ ان میں چھٹا ہوتا ہے..(المجادلہ...۷)
آیۂ کریمہ کی مدد سے انہوں نے اپنی عمر ''چھ'' سال بتلائی...

س: حفظ قرآن کریم کے علاوہ آپ کی دیگر مصروفیات بھی ہیں؟

ج: وَلِیَ فِیۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی

(اور میں اس سے کچھ اور بھی کام لیتا ہوں)(طٰہٰ...۱۸)

یعنی میں کچھ دوسرے کام بھی کرتا ہوں یہ ہے کہ حفظ قرآن کے علاوہ آیات کی مدد سے تکلم اور ان سے محاورے کا کام بھی لیتا ہوں)

وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لَهٗ...

(ہم نے ہرگز (اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر کی تعلیم دی اور نہ ہی اس کے لئے مناسب ہے)...(یٰسین ۶۹) یہ آیت اس لئے بیان کی کہ گلستان سعدی و محتشم کاشانی کے اشعار بھی حفظ ہیں...

والسَّمَآءَ بَنَیۡنٰهَا بِاَیۡدٍ...

(ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں سے یعنی اپنی قدرت سے بنایا)(الذاریات...۴۷)
سید محمد حسین کی صلاحیتوں میں سے ایک حیران کن صلاحیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے والد گرامی کے ہاتھ کے اشاروں سے مطلوبہ آیات کو سمجھ لیتے ہیں اس کے بغیر کہ انہیں کوئی ایک لفظ بھی بتایا جائے...

س: آپ قرآن کریم کو کتنا پسند کرتے ہیں؟

ج: اِنِّیۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَیۡرِ

(اسے میں اپنے رب کی خاطر پسند کرتا ہوں یعنی میں اچھی چیزوں کو پسند کرتا ہوں...)(ص...۳۲)

س: شب و روز میں آپ قرآن کریم کی تلاوت، کس وقت کرتے ہیں؟

ج: فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ...

(اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے، اسی کی تسبیح و تنزیہ کرو... جس وقت شام کرتے ہو اور صبح

کرتے ہو...)(الروم...۱۷)

مراد یہ ہے کہ میں رات کو بھی اور دن میں بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوں...

س: آپ حج کے لئے شرف یاب ہوئے تھے... وہاں کے سفر کا کوئی واقعہ بتایئے؟

ج: وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ وَزُخْرُفًا... (الزخرف...۳۴)

یہاں آل سعود کے شہزادوں کے محلات کی طرف اشارہ ہے جہاں پر سید محمد حسین کا پروگرام منعقد ہوا...

لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن...۳۳)

(یہاں بھی آپ نے آل سعود کی محلات کی طرف مزید اشارہ کیا ہے...)

س: قرآن کس عمر میں حفظ کرنا شروع کیا...

ج: اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ... (سورہ یاسین...آیت ۱۴)

یعنی قرآن کا حفظ دو سال کی عمر میں شروع کیا...

س: آپ نے مکمل قرآن پوری خصوصیات کے ساتھ کتنی عمر میں حفظ کرلیا...

ج: يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ الٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ...

تمہارا پروردگار ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا...(سورہ آل عمران، آیت ۱۲۵)

یعنی پانچ سال کی عمر میں مکمل حافظ قرآن بن گیا... واضح رہے کہ جیسا کہ ان کے والد نے بتایا کہ دو سال کی عمر میں قرآن کے حافظ بن گئے اور یہ سلسلہ مزید ارتقائی منزلیں طے کر رہا ہے...

س: آپ نے کس طرح پانچ سال کی عمر میں پورا قرآن حفظ کرلیا؟

ج: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ...

میرا شکریہ ادا کرو اور اپنے والدین کا...(لقمان...۱۴)

اس آیت سے بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فضل وکرم سے اور والدین کی کوششوں سے میں نے پورا قرآن حفظ کیا ہے...

س: کیا آپ نے حفظ کے سلسلے میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے خوش ہیں؟

ج: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ ...

اور جس دین کو اس نے اس کے لئے پسند فرمایا اس پر انہیں ضرور پوری قدرت دے گا...(سورۃ النور آیت ۵۵)

یعنی میں اپنے طریقہ حفظ پر راضی ہوں۔

س: آپ اپنے باپ سے بہت محبت کرتے ہیں؟

ج: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ...

دعا کرو کہ اے میرے رب جس طرح ان دونوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما...(سورہ اسراء، آیت ۲۴)

س: کیا آپ باپ سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا ماں سے؟

ج: لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ،

نہ ادھر نہ اُدھر...(سورہ نساء، آیت ۱۴۳)

س: آپ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے کیا آپ اس سفر سے خوش ہیں؟

ج: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ...

خدا ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے خوش...(سورۂ بینہ، آیت ۸)

س: شاہی (سعودی) خاندان کے لوگ آپ سے کیا کہتے تھے؟

ج: مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ ...

یعنی جو باتیں تم کہتے ہو ان میں اکثر تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں...(سورہ ھود، آیت ۹۱) یعنی جو کچھ وہ کہتے تھے زیادہ تر میں ان کی باتیں نہیں سمجھتا تھا... کیونکہ وہ بدوی عربی (مقامی لہجہ میں) گفتگو کرتے تھے...

آپ روزانہ قرآن مجید کے کتنے صفحے پڑھتے ہیں؟

ج: وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ...

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا اور اس میں ہم نے اسے پورا کر دیا...دس روز

سے غرض یہ کہ اس کے پروردگار کا وعدہ چالیس رات میں پورا ہو گیا... (سورۂ اعراف آیت)
یعنی تیس سے چالیس صفحات روزانہ پڑھتا ہوں...
س: کیا آپ تفسیر قرآن بھی پڑھنا پسند کرتے ہیں؟
ج: بَلٰی وَرَبِّیْ
ہاں اپنے پروردگار کی قسم... (سورۂ تغابن، آیت ۷)
س: قرآن کے بعد کس چیز میں آپ کا شوق ہے؟
ج: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ...
ہم تم پر یہ قرآن نازل کر کے تم سے ایک نہایت عمدہ قصے بیان کرتے ہیں ...(سورہ یوسف، آیت ۳)
یعنی تاریخ کے واقعات سے لگاؤ ہے...
س: آپ کی مجلات کے ایڈیٹروں، اساتذہ اور بیرون ملک پڑھنے والے طلباء کے متعلق کیا وصیت ہے؟
ج: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ...
اور خدا سے ڈرو، خدا تم کو سکھاتا ہے (اور یہ کہ تم خدا کا تقویٰ اختیار کرو... خدا تمہیں علم عطا کرے گا...) (سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲) (جریدہ الاشرف نمبر ۴)

☆☆☆☆
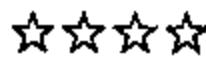
پیارے بچو! ہم آپ کو ایک نڈر لڑکی کا واقعہ سناتے ہیں جس نے بہادری اور جرأت کی مثال قائم کر دی...
پیارے بچو بہادری اسلام میں بہت اچھی چیز ہے...
مسلمان وہی ہے جس کے دل میں صرف اللہ کا خوف ہو اور کسی کا نہ ہو، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر کوئی بڑا آدمی ہمیں کسی غلطی پر ڈانٹے تو ہم بہادر بن کر اس سے لڑنے لگیں بہادری اس کا نام ہرگز نہیں...
بلکہ بہادری یہ ہے کہ میدان جہاد میں انسان کفار اور دشمنان اسلام کے مقابلہ میں مردانہ وار

لڑائی کرے پیچھے نہ ہٹے...

آ یئے اب ہم آپ کو واقعہ سناتے ہیں کہ بایزید کی افواج میں ایک ایرانی النسل شخص (یزدانی) ترکی افواج کا جنرل تھا، یہ شیر دل لڑکی اپنی بہادری وجرأت اور اپنے شریفانہ چلن کی وجہ سے مقبول خلائق تھی...

بایزید اپنے ملک میں امن وامان سے حکومت کر رہا تھا کہ دفعتاً امیر تیمور جیسے خون خوار اور جنگ جو دشمن نے اس پر حملہ کر دیا...

بایزید اور اس کی افواج نے مقابلہ تو خوب کیا مگر کئی دنوں کی خوفناک اور خون ریز جنگوں کے بعد بایزید کی فوج کو شکست ہوئی اور اَمۃ الحبیب اپنے بہت سے مددگاروں اور جاں نثاروں کے ساتھ گرفتار ہوگئی...

دوسرے دن شہنشاہ تیمور نے قیدیوں کے قتل کا حکم دے دیا...

امۃ الحبیب نے سنا تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور تیمور کے اس ظالمانہ فیصلے اور ترکوں کے اس بیکسانہ حال پر غم وغصہ سے بے تاب ہو کر امیر تیمور کے دربار میں آئی اور کہا مجھے کچھ عرض کرنا ہے... امیر نے چند لوگوں کی سفارش سے اس دلیر اور جری خاتون کو جو مردانہ بھیس میں تھی شہنشاہ کے تخت کے سامنے بلا لیا... بلایا اور عرض ومعروض کی اجازت دی امۃ الحبیب نے نہایت بے خوفی وبیباکی سے امیر کی خونخواری کا ذکر ذیل کے الفاظ میں کیا...

''اے شہنشاہ! تو نے جو بایزید پر بلاوجہ چڑھائی کر کے ہزارہا بندگان خدا کی خون ریزی کی ہے... خوب سمجھ لے کہ یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے جو کبھی معاف نہ ہوگا ستر ہزار بے گناہ ترکوں کو دھوکہ دے کر سرنگ کے ذریعہ اڑا دیا یہ ترکوں کی خون ریزی نہیں بلکہ اسلام کی بیخ وبن کو اکھیڑ دیا...

کسی آسمانی شریعت یا ملکی قانون میں تو یہ بتا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو اس بے رحمی اور ظلم کے ساتھ قتل کرنا جائز ہے؟

بایزید نے نہایت تواضع اور فروتنی کے ساتھ تجھے صلح کا پیغام دیا کہ بے گناہ مخلوق کی جان بچ جائے مگر فاتحان اولوالعزم میں شامل ہونے کے تکبر نے تجھے اس پیغام پر توجہ

کرنے کی مہلت نہ دی...

اے شہنشاہ! ہماری طرح تیری عمر کا پیمانہ بھی ایک دن لبریز ہونے والا ہے اور اس عالم کو طے کر کے رب الافواج کے سامنے کھڑا ہونا ہے پھر تو ہی بتا کہ جب وہ ان مظلوم جفاکشوں کی بابت تجھ سے عتاب آمیز سوال کرے گا تو کیا جواب دے گا؟

اے شہنشاہ! آج تک کبھی مظلوم قیدیوں پر بہادروں کی تلواریں اٹھی ہیں؟ ہم بے بس قیدی ہیں ہمارے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یہ نہایت ہی بزدلانہ اور نفرت انگیز فیصلہ ہے کہ اس بے کسی کی حالت میں ہماری گردن مارنے کا حکم دیا گیا ہے..."

اس کے بعد امۃ الحبیب نے اپنا آہنی خود اتار کر زمین پر پھینک دیا اور کہا "اے سلطان دیکھ! میں ایک ناتجربہ کار عورت ہوں اس سے تو اندازہ کر سکتا ہے کہ جس قوم کی عورتیں ایسی بے باک اور بہادر ہوتی ہیں ان کے مرد کیسے بے خوف و دلیر ہوں گے..."

اس اثناء میں تیموری دربار کی عجیب کیفیت تھی، چاروں طرف خاموشی اور سکوت کا سناٹا چھایا ہوا تھا اور ہر شخص پر سکتہ کا عالم طاری تھا لیکن حریت نوازی وحق گوئی کی یہ دلدادہ خاتون فوجی لباس زیب تن کیے پوری جرأت سے کام لے رہی تھی... جب اس نے آہنی خود اتارا تو پورا دربار اور خود تیمور تعجب وحیرت کے عالم میں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے...

☆☆☆☆
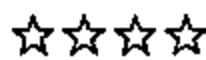
حکیم الامت حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایک بچہ کی بسم اللہ کرانے گیا... بچہ بہت چالاک تھا... میں کہتا تھا بسم اللہ پڑھو وہ کہتا تھا میں نہیں پڑھتا...

آخر کار میں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ اس سے پوچھتے ہیں تو کیا نہیں پڑھتا یہ کہے گا میں بسم اللہ نہیں پڑھتا تو چلو اس طرح ظاہری نہ سہی حقیقی معنی میں تو بسم اللہ ہو ہی جائے گی...

لیکن جب اس سے پوچھا گیا کہ تو کیا نہیں پڑھتا؟...

بچہ نے جواب دیا کہ میں وہ نہیں پڑھتا جو آپ کہتے ہیں...

☆☆☆☆

پیارے بچو! ہم تمہیں پرانے زمانے کے ایک ننھے منے بچے کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی کہانی سناتے ہیں...

یہ کہانی اس وقت کی ہے جب سعودی عرب میں آج کی طرح دولت کی ریل پیل نہ تھی اور اس ملک کی معیشت کا دارومدار زیادہ تر حج کے موقع پر آنے والے حاجیوں سے ہونے والی آمدنی پر تھا...

آبادی بہت غریب تھی اور بڑی مشکل سے گزارہ ہوتا تھا...

ہمارے ایک بڑے بزرگ عالم حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس زمانہ میں حج کے بعد مدینہ منورہ گیا ایک مرتبہ ہم لوگوں نے کھانا کھانے کے بعد دسترخوان کو ایک ڈھیر پر جھاڑ دیا تاکہ روٹی کے بچے ٹکڑوں اور ہڈیوں کو جانور کھا جائیں...

تھوڑی دیر کے بعد جب میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک خوبصورت نو سال کا بچہ ان ٹکڑوں کو چن چن کر کھا رہا ہے...

مجھے سخت افسوس ہوا، بچے کو ساتھ لے کر قیام گاہ میں آیا... اور اسے پیٹ بھر کے کھانا کھلایا کیونکہ میں ایسی ہستی کے شہر میں تھا جو غریبوں کا والی اور غلاموں کا مولیٰ تھا...

میرے اس برتاؤ کو دیکھ کر بچہ بے حد متاثر ہوا میں نے چلتے وقت اس سے کہا کہ...

بیٹے تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟

اس نے کہا...

میں یتیم ہوں...

میں نے کہا...

بیٹے میرے ساتھ ہندوستان چلو گے؟ وہاں میں تم کو اچھے اچھے کھانے کھلاؤں گا... عمدہ عمدہ کپڑے پہناؤں گا... اپنے مدرسے میں تعلیم دوں گا... جب تم عالم فاضل ہو جاؤ گے تو میں خود تم کو یہاں لے کر آؤں گا اور تمہیں تمہاری والدہ کے سپرد کر دوں گا... تم جاؤ اپنی والدہ سے اجازت لے کر آؤ...

لڑکا بہت خوش ہوا اور اچھلتا کودتا اپنی والدہ کے پاس واپس گیا... وہ بیچاری بیوہ دوسرے

بچوں کے اخراجات سے پہلے ہی پریشان تھی.. اس نے فوراً اجازت دے دی...

بچہ فوراً آیا اور مولانا کو بتایا کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گا... میری ماں نے اجازت دے دی ہے...

پھر پوچھنے لگا کہ آپ کے شہر میں یہ چنے ملتے ہیں؟

مولانا عثمانیؒ نے بتایا یہ ساری چیزیں وافر مقدار میں تمہیں ملیں گی...

مولانا کا بیان ہے کہ وہ بچہ میری انگلی پکڑے پکڑے مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وہ میرے ساتھ آیا اور ٹھٹک کر رہ گیا...

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کو دیکھا اور مسجد کے دروازے کو... اور پھر پوچھا کیا کہ بابا یہ دروازہ اور روضہ بھی وہاں ملے گا؟

میں نے اس سے کہا کہ بیٹا اگر یہ وہاں مل جاتا تو میں یہاں کیوں آتا...

لڑکے کے چہرے کا رنگ بدل گیا، میری انگلی چھوڑ دی بابا تم جاؤ، اگر یہ نہیں ملے گا تو میں ہرگز ہرگز اس دروازے کو چھوڑ کر کہاں نہیں جاؤں گا... بھوکا رہوں گا، پیاسا رہوں گا، اس دروازے کو دیکھ کر میں اپنی بھوک اور پیاس بجھاتا رہوں گا، جس طرح آج تک بجھاتا رہا ہوں... یہ کہہ کر بچہ رونے لگا اور اس کے عشق کو دیکھ کر میں بھی رونے لگ گیا.. (ماہنامہ محاسن اسلام ملتان)

☆☆☆☆
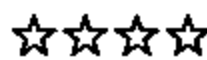
سید شاہ علم اللہ صاحبؒ کے اس دائرے میں جو آپ تکیے کے نام سے مشہور ہے، صفر ۱۲۰۱ھ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی ولادت ہوئی...

جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو شرفا کے دستور کے مطابق آپ مکتب میں بٹھائے گئے...

لیکن لوگوں نے تعجب سے دیکھا کہ آپ کی طبیعت خاندان کے اور لڑکوں اور اپنے ہم عمروں کے برخلاف علم کی طرف راغب نہیں اور آپ پڑھنے پڑھانے کی طرف توجہ کرتے، تین سال مکتب میں گزر گئے...

اور باوجود استاد کی توجہ و شفقت اور بزرگوں کی تاکید و فہمائش کے صرف قرآن مجید کی

چند سورتیں یاد ہو سکیں...

اور مفرد و مرکب الفاظ لکھنا سیکھ سکے، آپ کے بڑے بھائی صاحبان سید ابراہیم و سید اسحٰق صاحب کو آپ کی تعلیم کا بڑا اہتمام تھا، اور وہ بہت تاکید رکھتے تھے...

والد ماجد نے فرمایا کہ میاں ان کو خدا پر چھوڑ دو، جو ان کے حق میں بہتر سمجھے گا کرے گا ہماری تاکید کا کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا...

جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ کو خدمت خلق کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ اچھے اچھے بزرگ اور خدا پرست انگشت بدنداں رہ گئے...

ضعیفوں، اپاہجوں اور بیواؤں کے گھروں پر دونوں وقت جاتے ان کا حال پوچھتے اور کہتے "اگر لکڑی، پانی، آگ وغیرہ کی ضرورت ہو تو لے آؤں؟" وہ لوگ آپ ہی کے بزرگوں کے مرید اور خادم تھے، کہتے...

"میاں کیوں گنہگار کرتے ہیں؟ ہم تو آپ اور آپ کے باپ دادا کے غلام ہیں، ہماری مجال ہے کہ ہم آپ سے کام لیں؟"....

آپ ان کو خدمت گزاری اور اعانت کی فضیلت اس طرح سناتے کہ وہ زار و قطار روتے اور باصرار ان کی ضرورتیں معلوم کر کے پوری کرتے، بازار سے ان کے لئے سودا لاتے، لکڑی لا کر اور پانی بھر کر لاتے اور ان کی دعائیں لیتے اور کسی طرح سے اس کام سے سیری نہ ہوتی...

عزیزوں، ہمسایوں کے گھروں میں جا کر دیکھتے کہ برتنوں میں پانی ہے، جلانے کے لئے لکڑی ہے یا نہیں، پانی نہ ہوتا تو اپنے ہاتھ سے بھرتے لکڑی نہ ہوتی تو جنگل جا کر خود کاٹتے، چادر میں گٹھا باندھ کر سر پر رکھتے اور گھروں میں پہنچا دیتے...

آپ کے بعض بھائی اور عزیز اس پر ناراض ہوتے سخت سست بھی کہتے، مگر آپ اس کی پروا نہ کرتے اور کام کئے جاتے...

اسی کے ساتھ آپ کو عبادت و ذکر الٰہی کا بے حد ذوق تھا...

رات کو تہجد گزاری اور دن کو خدمت گزاری اور تلاوت و دعا و مناجات میں مشغول رہتے...

قرآن مجید میں تدبر فرماتے رہتے اور یہی آپ کا مشغلہ تھا...

ایسی مائیں دنیا میں بہت کم ہوں گی، جو بیٹے کی جان کے امتحان میں پوری اتریں اور اس کو مرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے رخصت کریں، سید صاحبؒ کو اللہ نے والدہ بھی ایسی دی تھیں، جو حضرت اسماء کا نمونہ تھیں...

''منظورہ'' میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہندو مسلمانوں میں جنگ ہوگئی، سید صاحبؒ نے جانے کی آمادگی ظاہر کی، لیکن کھلانے والی نے کسی طرح جانے دیا، والدہ محترمہ نماز پڑھ رہی تھیں، سید صاحبؒ منتظر کھڑے تھے کہ آپ سلام پھیریں تو جانے کی اجازت طلب کریں آپ نے جب سلام پھیرا تو دایہ سے کہا ''بی بی تمہیں ضرور احمد سے محبت ہے، مگر میری طرح نہیں ہوسکتی، یہ روکنے کا موقع نہ تھا، جاؤ بھیا اللہ کا نام لے کر جاؤ، مگر خبردار، پیٹھ نہ پھیرنا، ورنہ تمہاری صورت نہ دیکھوں گی اور اگر وہ نکل جانے کے لئے راستہ مانگیں اور کہیں کہ ہم کو جانے دیجئے تو راستہ دے دینا''...

آپ جیسے ہی پہنچے، انہوں نے کہنا شروع کیا ''ہم کو راستہ دے دو، ہم چلے جائیں، ہمیں آپ سے کچھ مطلب نہیں، آپ کا بھی ہم سے کچھ جھگڑا نہیں''...

جیسے ہی آپ نے یہ سنا، بھائیوں سے کہا ''ان کو جانے دو اور کچھ روک ٹوک نہ کرو، اسی میں خیر ہے...''

☆☆☆☆
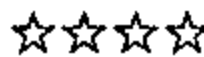
چودھویں صدی ہجری کے آغاز کو ۲۳ سال بیت رہے تھے کہ ۶ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۱۳ء کو رائے بریلی کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں (جو دائرہ شاہ علم اللہ کے نام سے موسوم اور تکیہ کلاں کے نام سے مشہور ہے مفکر اسلام حضرت سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی... ساتویں دن عقیقہ کی سنت ادا کی گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام نامی پر ''ابوالحسن علی'' نام تجویز کیا گیا...

حلال روزگار کا اس خاندان میں ہمیشہ اہتمام رہا، خاص طور پر حضرتؒ کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب کو اس کی ہمیشہ فکر رہتی تھی کہ ایک دانہ بھی مشتبہ مال کا گھر میں نہ آنے پائے، اس کا اثر پورے گھرانہ پر تھا...

یہاں تک کہ کام کاج کرنے والوں کو بھی اس کا خیال رہتا تھا کہ خاندان کے بچوں کو مشتبہ مال سے محفوظ رکھا جائے...

گھر کے اسی ماحول اور احتیاط کی اسی فضا کا نتیجہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت اپنے گھر کی بوڑھی لنا کے ساتھ تکیہ سے خالص ہاٹ (جہاں بعض عزیزوں کے مکانات تھے) جا رہے تھے اس وقت حضرت کی عمر مشکل سے تین، چار سال رہی ہوگی، راستہ میں کہیں غریبوں کو کھانا کھلایا جا رہا تھا، بڑی بی نے کھانا لیا اور وہیں کھانے بیٹھ گئیں...

حضرت فرماتے ہیں...

''میں بچہ تھا، میرے بھی منہ میں پانی بھر آیا اور میں نے شرکت کرنی چاہی...

انہوں نے کہا... بیٹا یہ تمہارے کھانے کا نہیں اور انہوں نے کھانے نہیں دیا...''

غالباً چار سال کی عمر میں رائے بریلی کے قیام میں تسمیہ خوانی ہوئی جو حضرت کے چچا مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحب نے کرائی چونکہ زیادہ تر قیام لکھنؤ میں ہی رہتا تھا اس لئے باقاعدہ تعلیم کا آغاز وہیں سے ہوا...

محلّہ کی مسجد نوازی کے ایک حجرہ میں مکتب لگتا تھا، اسی مکتب میں داخلہ ہوا، مسجد کے موذن وامام حافظ محمد سعید صاحب ہی اس مکتب کے مدرس تھے، حروف شناسی، قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی تعلیم ان ہی کے پاس ہوئی...

خاندان کے دستور کے مطابق تقریباً سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم ہوا...

اس کی خوشی میں والد ماجد نے ہلکی سی ضیافت بھی کی...

اس موقع پر یہ دلچسپ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت کے بھانجے سید محمد مسلم حسنی صاحب (جو حضرت کے ہم عمر اور بچپن کے دوست تھے، بعد میں حضرت کی سب سے بڑی بھتیجی سے ان کا عقد ہوا...) اسی زمانہ میں لکھنؤ گئے، مولانا عبدالحئی صاحب نے ان سے پوچھا کیا پڑھتے ہو؟'' انہوں نے غالباً پارہ عم بتایا تو مولانا بڑی خوشی میں کہنے لگے کہ ''علی کا تو قرآن مجید ختم ہو گیا...''

اردو بقدر ضرورت پڑھ لینے کے بعد خاندانی دستور کے مطابق فارسی شروع ہوئی، سب

سے پہلے انجمن حمایت الاسلام کی فارسی کی پہلی کتاب دی گئی اور تعلیم دینے کے لئے ایک کہنہ مشق استاد مولوی محمود علی صاحبؒ کا انتخاب ہوا جن کے بارے میں حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ ''وہ بڑے مہذب، شفیق اور دیرینہ سال معلم تھے........فارسی کے ساتھ اسی زمانہ میں والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ صاحب کی تصنیف کی ہوئی کتابیں ''تعلیم الاسلام'' اور ''نور الایمان'' پڑھی، خوش خطی کی مشق بھی اسی زمانہ میں کی جو تعلیم کا ایک اہم جز اور ضروری نصاب تھا...

حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارا گھرانہ علماء و مصنفین کا گھرانہ ہے، والد صاحب اپنے زمانہ کے مصنفوں میں تھے، خاندانی و موروثی اثرات بڑے طاقتور ہوتے ہیں وہ نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں اور بچوں اور بچیوں سب میں ان کے اثرات کم و بیش پائے جاتے ہیں... کچھ یہ آبائی اثر، کچھ والد صاحب کا ذوق وانہماک ہمارے سارے گھر پر یہ کتابی ذوق سایہ فگن تھا...

کتب بینی کا یہ ذوق... ذوق سے بڑھ کر لت اور بیماری کی حد تک پہنچ گیا تھا کہ کوئی چھپی ہوئی چیز سامنے آجائے تو اس کو پڑھے بغیر چھوڑ نہیں سکتے تھے... ہم بھائی بہنوں کو جو تھوڑے سے پیسے دست خرچ کے لئے ملتے یا خاندان کے کوئی بزرگ جاتے ہوئے (اس زمانہ کے خاندانی رواج کے مطابق) بچوں کو روپے دے جاتے اس کا ایک ہی محبوب مصرف تھا کہ اس سے کوئی کتاب خرید لی جائے...

اس سلسلہ میں خود میری ایک دلچسپ کہانی سنتے چلئے کہ میرے پاس اس طرح کچھ پیسے آگئے وہ ایک دو آنے سے زیادہ نہ تھے...

میں اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کتب فروشوں ہی کے یہاں ملتی ہے اور ہر چیز کی دکان الگ ہوتی ہے...

میں امین آباد گیا، گھنٹہ گھر والے پارک کے سامنے بڑی دوکانوں کی جو قطار ہے اس میں کسی دوا فروش کی دکان پر پہنچا، غالباً ''سالومن'' کمپنی تھی...

میں نے پیسے بڑھائے کہ کتاب دے دیجئے...

دکان پر کام کرنے والے صاحب نے سمجھا کہ کسی شریف گھرانہ کا بھولا بھالا بچہ

ہے... کیمسٹ کی دکان پر کتاب کیا ملتی...

دواؤں کی فہرست اردو میں تھی انہوں نے وہی بڑھادی اور پیسے بھی واپس کردیئے، میں پھولے نہیں سماتا تھا کہ کتاب بھی مل گئی اور پیسے بھی واپس آ گئے...

خوش خوش گھر پہنچا اور اس سے اپنے چھوٹے سے اس کتب خانہ کو سجایا جو والد صاحب کے یہاں کی ان کتابوں سے بنایا تھا جو ان کے لئے بیکار تھیں اور وہ ردی میں ڈال دیتے تھے... یہی شوق میری دونوں بہنوں کا تھا کہ کتاب کے بغیر ان کو چین نہیں آتا تھا...

اس زمانہ میں ایک کتاب فروش ہماری گلی میں آتے تھے اور صدا لگاتے تھے "ہرنی نامہ" "نور نامہ" "حلیمہ دائی کی کہانی" "معجزہ آل نبی" "میلاد نامہ" وغیرہ وغیرہ... ان کی صورت ابھی تک آنکھوں میں ہے...

وہ ان کتابوں کے اشعار گا گا کر پڑھتے تھے ادھر ان کی آواز کان میں آئی...

ادھر ان دونوں بہنوں کی طرف سے حکم ملا کہ فلاں کتاب لے آؤ، دوڑا دوڑا گیا اور کتاب خرید لایا...

ہمارا گھرانہ عقائد و مسلک میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کا سختی سے پیرو تھا اور ان کے اثرات ایسے رچ بس گئے تھے کہ بے اصل اور غیر مستند چیزیں جن سے عقائد میں خلل پڑتا ہو گھر میں نہیں آتیں تھیں...

مردوں سے زیادہ عورتیں عقیدہ کے بارے میں سخت تھیں... اس لئے "معجزہ آل نبی" جیسی کتابوں کا تو یہاں گزر نہ تھا...

البتہ سیرت بزرگوں کی حکایات اور بے ضرر دلچسپ کتابیں خواہ نظم میں ہوں یا نثر میں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں، ان کتابوں کی قیمت ہی کیا تھی، کسی کے دو پیسے، کسی کے چار پیسے، بہت قیمت ہوئی تو دو آنے، چار آنے، دونوں میں سے کسی نے ترنم کے ساتھ مزے لے لے کر پڑھنا شروع کیا، اور جب تک کتاب ختم نہ کر لی ان کو چین نہ آیا...

اسی زمانہ کا سنا ہوا حضرت حلیمہ دائی کا قصہ آج تک دل پر نقش ہے... اس کے ابتدائی چار شعر یہ ہیں۔

ایک عاشق تھی حلیمہ دائی　　جس نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی
وہ کچھ اس رمز سے آگاہ نہ تھی　　اس کی قسمت میں یہ دولت تھی لکھی
نور اللہ کو لائی گھر میں　　یعنی اس شاہ کو لائی گھر میں
واہ! کیا طالع بیدار ملے　　جس کو کونین کے سردار ملے

اس سیدھی سادی نظم نے جس کے کہنے والے کا نام بھی معروف نہیں اس پاک محبت کے دل کی نرم سرزمین میں ابتدائی بیج ڈالے، پھر جب ''سیرۃ ابن ہشام'' میں یہ عزیز ولذیذ حکایت پڑھی، جس میں راوی نے اپنے معمول سے زیادہ درازنفسی سے کام لیا

ع　　لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

تو وہ معصوم زمانہ جس پر اللہ کی ہزار رحمتیں ہوں یاد آ گیا...

کتابوں کی خریداری میں صرف اسی کتب فروش ہی کے ذخیرہ پر بس نہ تھی جس کی گٹھری وہ اپنے بغل میں داب کر لاتے تھے، بلکہ مجھے وقتاً فوقتاً حکم ملتا رہتا تھا... میں ''صدیق بکڈپو'' سے جو ہمارے قریب سب سے بڑی کتابوں کی دکان تھی ان کی انتخاب کی ہوئی کتابیں خرید لاؤں... یہ سب کتابیں جو کبھی نظم میں ہوتیں اور کبھی نثر میں، مشترک طور پر پڑھی جاتی تھیں، اسی زمانہ میں سیرت پاک پر اردو کے چھوٹے بڑے رسالے پڑھے گئے اور دل ودماغ میں پیوست ہو گئے، ان کے نام تو اب یاد نہیں...

لیکن اتنا یاد ہے کہ ان کے پڑھنے سے اس زمانہ کے رواج کے مطابق مجھے میلاد یا سیرت کا جلسہ کرنے کا شوق ہوا، اپنے ہم سن بچوں کو مدعو کیا اور ان کو دعوت دینے کے لئے خود گھر گھر گیا...

انہی بہنوں میں سے کسی نے میرے سر پر چھوٹی سی پگڑی باندھی، عمر یہی آٹھ نو برس کی رہی ہوگی، انہی کتابوں میں سے میں نے کوئی کتاب لے کر پڑھنی شروع کی...

قابلیت کا یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا سردار قریش عَبْدُ الْمُطَّلِبْ کو عَبْدُ الْمَطْلَبْ پڑھ رہا تھا...

والد مرحوم خاموشی سے آ کر ایک طرف اوٹ میں کھڑے ہو گئے تھے، ان کا دل یہ

منظر دیکھ کر کتنا باغ باغ ہورہا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے عشق نبوی کا ان کو حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور اسی سے ان کی تحریروں میں آب ورنگ ہے...

ان کے لئے کیا کم خوشی کی بات تھی کہ ان کا کم سن بچہ اس ذکر خیر میں مصروف ہے جو ہر خیر و برکت کا سرچشمہ ہے، اور اس طرح وہ خود اپنا طالع بلند اور اپنا بخت بیدار کررہا ہے ؎

حکایت از قد آں یار دل نواز کنیم　　　بایں بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم

نعتوں میں سب سے زیادہ امیر مینائی اور محسن کاکوروی کی نعتیں ان بہنوں کی زبان پر جاری تھیں، خاص طور سے حضرت محسن کی مشہور نظم

ع　　سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

بہت پڑھی جاتی تھی... کتابوں میں "مسدس حالی" گویا وردِ زبان تھی اور اس کا بڑا حصہ ان دونوں بہنوں کو تقریباً حفظ تھا... اس زمانہ میں شرفاء اور پڑھے لکھے لوگوں کا کوئی گھر بھی اس کتاب کے مطالعہ اور نغمہ خوانی سے خالی نہ تھا..."

اس زمانہ میں اصل تربیت والدہ صاحبہ نے فرمائی جن کے بارے میں حضرت فرماتے ہیں:

"گھر میں کسی بڑے مرد کے نہ ہونے کی وجہ سے والدہ صاحبہ ہی میری نگرانی، اخلاقی و دینی تربیت کی ذمہ دار تھیں...

مجھے قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں انہوں نے اسی زمانہ میں یاد کرائیں، باوجود اس کے کہ ان کی شفقت خاندان میں ضرب المثل تھی، اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دل داری اور ایک حد تک ناز برداری قدرتاً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں...

لیکن دو باتوں میں وہ بہت سخت تھیں، ایک تو نماز کے بارے میں بالکل سستی نہیں برتتی تھیں، میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر پڑھے سوگیا، خواہ کیسی بھی گہری نیند ہو اٹھا کر نماز پڑھواتیں اور نماز پڑھے بغیر ہرگز نہ سونے دیتیں...

اسی طرح فجر کی نماز کے وقت جگا دیتیں اور مسجد بھیجتیں اور پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لئے بٹھا دیتیں...

دوسری بات جس میں وہ بالکل رعایت نہ کرتیں اور اس میں ان کی غیر معمولی محبت و شفقت حائل نہ ہوتی، وہ یہ تھی کہ اگر میں خادم کے لڑکے یا کام کاج کرنے والے غریب بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی، ناانصافی کرتا، یا حقارت اور غرور کے ساتھ پیش آتا تو وہ نہ صرف مجھ سے معافی منگواتیں بلکہ ہاتھ تک جوڑواتیں اس میں مجھے کتنی ہی اپنی ذلت اور خفت محسوس ہوتی مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں، اس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہنچا اور ظلم، تکبر و غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا اور دل آزاری اور دوسروں کی تذلیل کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا، اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا اقرار کر لینا ہمیشہ آسان معلوم ہوا..."

والدہ صاحبہ کو حضرت کی بڑی فکر رہتی، وہی ان کے تنہا فرزند تھے، وہ چاہتی تھیں کہ ان کی ساری امیدیں حضرت ہی سے پوری ہوں...

حضرت کو مخاطب کر کے ایک مکتوب میں لکھتی ہیں

"اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل دے کہ سو (۱۰۰) کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں..."

معمولی شکایت سے بھی ان کے دل کو ٹھیس لگتی...

اس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ظاہری تربیت کے ساتھ ساتھ دعاؤں کا انہوں نے غیر معمولی اہتمام کیا اور دل کھول کر حضرت کی علمی و دینی ترقیات، بلند اقبالی، مقبولیت و محبوبیت اور مقام تجدید و امامت کے حصول کے لئے دعائیں مانگنے کو اپنا وظیفہ اور ورد بنا لیا...

توفیق الٰہی کے عنوان سے حضرتؒ نے جو واقعہ تحریر فرمایا ہے وہ استاذ کے ادب و احترام بلکہ عظمت و محبت کی ایک نادر مثال ہے، وہ بے کم و کاست یہاں درج کیا جاتا ہے...

"عرب صاحبؒ سے پڑھنے کے زمانہ میں ایک امتحان پیش آیا، جو دیکھنے میں تو معمولی واقعہ تھا، لیکن میرے کم سے کم عربی تعلیم اور زبان و ادب کے حصول میں کامیابی کے سلسلہ میں فیصلہ کن اثر رکھتا تھا...

ہوا یہ کہ میرے انگریزی کے استاد خلیل الدین صاحب ہنسوی نے جن کا عرب صاحب بڑا لحاظ کرتے تھے، ان سے میرے ایک ایسے طرز عمل کی شکایت کی جس سے ان کو اپنی اہانت کا احساس ہوا تھا...

یہ احساس محض غلط فہمی پر مبنی تھا کہ میں نے یہ کہنے کے بعد کہ آج فلاں عذر کی وجہ سے میرے لئے سبق پڑھنا مشکل ہے، دروازہ ذرا زور سے بند کیا...

عرب صاحبؒ اس سے بہت متاثر ہوئے، اور انہوں نے بھائی صاحبؒ سے اجازت لی کہ آج وہ میری اچھی طرح تنبیہ کریں گے...

ان کے مزاج میں...... قدرے گرمی بھی تھی... اس واقعہ نے ان کو مشتعل کر دیا، انہوں نے مجھے اس پر اتنا زدوکوب کیا جو اس جرم اور واقعہ کی نوعیت سے بہت بڑھ گیا...

بعد میں ان کو اس کا احساس ہوا کہ اس میں کچھ بے اعتدالی ہوگئی، جس کے لئے مجھ سے معذرت بھی کی، شدہ شدہ یہ خبر والدہ صاحبہؒ کو رائے بریلی پہنچی، انہوں نے مجھ سے دریافت کیا اور کہا کہ معلوم ہوا ہے کہ عرب صاحب نے تم کو بہت مارا؟ اللہ تعالیٰ نے اس وقت توفیق دی، اور میں نے عرب صاحب کی پوری وکالت اور ان کی طرف سے مدافعت کی اور ان کو اس تنبیہ و تادیب میں بالکل حق بجانب قرار دیا...

والدہ صاحبہ مطمئن ہوگئیں اور میری تعلیم کا سلسلہ جاری رہا...

میں سمجھتا ہوں کہ میرے اس سعادتمندانہ رویہ نے جو محض توفیق الٰہی کا نتیجہ تھا، مستقبل میں میرے لئے عربی زبان و ادب کا ذوق پیدا ہونے اور اس کے ذریعہ سے دین و علم کی خدمت کرنے کا فیصلہ کرا دیا...

اگر صورتحال اس کے برعکس ہوتی اور میں اپنے کو بری اور مظلوم قرار دیتا اور اپنے محسن و مربی استاد کو حدود سے تجاوز کرنے والا... تو شاید معاملہ برعکس ہوتا اور میں ہمیشہ کے لئے ان کے فیض تعلیم اور عربی زبان و ادب میں کامیابی سے محروم کر دیا جاتا...

اس زمانہ کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ میں نے شبلی بک ڈپو (جو لکھنؤ میں اس وقت لاٹوش روڈ پر مولوی کلیم احمد صاحب بہرائچی ندوی کا تجارتی مکتبہ تھا) کی فہرست میں سیرت کی ایک کتاب "رحمۃ للعالمین مصنفہ قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری" کا نام پڑھا...

پڑھتے ہی طبیعت میں ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ میں نے اس کا آرڈر دے دیا...

کتاب آئی تو اس وقت والدہ صاحبہ کے پاس وی پی چھڑانے کے لئے پیسے نہ تھے،

انہوں نے مجبوری کا اظہار کیا...

میں نے اس پر رونا شروع کر دیا...

والدہ صاحبہ نے مجبور ہو کر کہیں سے اس کا انتظام کیا اور وی پی چھڑالی...

میں نے اس کتاب کو بڑے ذوق وشوق اور عقیدت ومحویت کے ساتھ پڑھا، کم کتابوں نے دل و دماغ پر ایسا گہرا اثر ڈالا ہوگا... جتنا اس کتاب نے... مصنف کا اخلاص اور ان کی قوت ایمانی اور داعیانہ رنگ تھا اور سیرت کے واقعات کی سادگی اور اثر انگیزی کی دل و دماغ میں ایک کرنٹ سا دوڑ گیا...

اس کتاب کو اپنی محسن و مربی کتابوں میں سمجھتا ہوں..."

حضرت فرماتے ہیں:

"بچپن کا ایک زمانہ تھا جب مجھ پر انگریزی پڑھنے کا دورہ پڑا اور اس کا بخار چڑھا، میں نے میٹرک کے کورس کی کتابیں خرید لیں... ریاضی محلّہ کے ایک استاد سے پڑھنی شروع کی، انگریزی محمد فاروقی صاحبؒ کے یہاں پڑھنے جاتا تھا جب وہ لکھنؤ سے منتقل ہو گئے تو میں نے بطور خود مطالعہ کرنا شروع کیا اور اپنے شوق سے انٹرمیڈیٹ کے معیار کی کتابیں (جواب شاید بی اے کے معیار کی ہونگی) ڈکشنری سے حل کر کے مطالعہ کرنے لگا ابھی امتحان میں بیٹھنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ والدہ صاحبہؒ کو (غالباً بھائی صاحبؒ کے ذریعہ) میرے اس انہماک کا علم ہوا...

انہوں نے مجھے بڑے موثر اور دردمندانہ خط لکھے، جن کے کچھ نمونے میں نے ان کے تذکرہ "ذکر خیر" میں چند تربیتی خطوط کے عنوان سے دیئے ہیں... صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

"علی! تم کسی کے کہنے میں نہ آؤ، گر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو ان مردوں پر نظر کرو جنہوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گزار دی، ان کے مرتبے کیا تھے...

شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ مولوی محمد ابراہیم

صاحبؒ، اور تمہارے بزرگوں میں خواجہ احمد صاحبؒ اور مولوی محمد امین صاحبؒ، جن کی زندگی اور موت اس وقت قابل رشک ہوئی، کس شان و شوکت کے ساتھ دنیا برتی اور کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی...

یہ مرتبے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں، انگریزی مرتبہ والے تمہارے خاندان میں بہت ہیں، اور ہوں گے، مگر اس مرتبہ کا کوئی نہیں......

علی! اگر میرے سوا اولادیں ہوتیں تو میں یہی تعلیم دیتی اب تم ہی ہو...

اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل دے کہ سو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں اور میں دارین میں سرخ رو اور نیک ہوں اور صاحب اولاد کہلاؤں، آمین ثم آمین یارب العالمین...

والدہ صاحبہؒ کی دعا ہی کا اثر تھا کہ میرا دل اچانک انگریزی کی مزید تعلیم سے اچاٹ ہو گیا، اور میں نے کورس کی ساری کتابیں زبردستی لوگوں کے گلے لگا ئیں، مگر اس غیر معتدل اور بحرانی مصروفیت کا یہ اثر ہوا کہ اس تھوڑے سے وقت میں میں نے انگریزی کی ضروری استعداد پیدا کر لی اور میں نے اپنے علمی و تصنیفی کاموں میں، اور بعد میں انگلستان اور امریکہ کے سفر میں اس سے کام لیا، اس کے بعد شاید انگریزی پر محنت کرنے کا موقع نہ ملتا، انگریزی کی اتنی استعداد پیدا ہو گئی کہ میں ان کتابوں کا آسانی سے مطالعہ کر سکا جو اسلامیات کے موضوع پر اور تاریخ پر لکھی گئی ہیں اور میں اس سے ابھی تک فائدہ اٹھا رہا ہوں...''

☆☆☆☆

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے جمادی الثانی ۱۳۱۵ھ (مطابق جون ۱۸۹۷ء) کو اس دنیا میں قدم رکھا...

والدین نے اپنے اس بچہ کی پرورش اور تربیت بڑے پیار و محبت کے ساتھ کی... چونکہ پورا گھرانہ علم و فضل اور پاکیزہ اعمال و اخلاق اور زہد و قناعت میں ڈوبا ہوا تھا کتاب وسنت اور علوم دینیہ کی اشاعت و تحفظ سے شغف رکھتا تھا، اس قدرتی طور پر آپ کے دل و دماغ اور فکر و ذہن کی نشو و نما اسی علمی اور دینی ماحول میں ہوئی...

جونہی ہوش و حواس سنبھالا مکتب میں بٹھائے گئے...اور آپ کی رسم بسم اللہ بڑے دھوم

دھام سے منائی گئی، اس مجلس بسم اللہ میں دارالعلوم کے تمام موجودہ وقت اکابر و اسلاف جمع ہوئے، جیسے حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی والد محترم شیخ الہند حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی والد محترم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی عارف باللہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی جانشین قاسم العلوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمہم اللہ ادیب لبیب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی اور دوسرے اساتذہ دارالعلوم دیوبند)

ان اکابر علماء ربانیین اور اولیاء اللہ کے بابرکت مجمع میں قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے اس ہونہار پوتے کی بسم اللہ ہوئی، اور بسم اللہ حضرت مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ نے کرائی جو اس وقت موجودہ حضرات میں عمر اور علم وفضل کے اعتبار سے ممتاز تھے اور ملک کے مشہور اور نامور عالم اور ادیب شمار ہوتے تھے...

بسم اللہ کی یہ رسم ۱۳۲۲ھ میں عمل میں آئی جب آپ کی عمر کوئی سات سال کی تھی...

حضرت حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ کے مشورہ سے مولانا قاری عبدالوحید خاں صاحب آلہ آبادی کو منتخب فرمایا اور ان کو بطور خاص ذاتی طور پر بلا کر اپنے گھر پر رکھا تا کہ وہ بچہ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کریں... قاری صاحب کا قیام وطعام اور مشاہرہ سب اپنے ذمہ لیا...

جب قاری صاحب موصوف تشریف لے آئے تو حضرت شیخ الہند نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ جب قاری صاحب آ ہی گئے ہیں تو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ جناب قاری صاحبؒ کو دارالعلوم ہی میں مدرس رکھ لیا جائے... اور یہاں درجہ تجوید کھول دیا جائے... تو ان کا افادہ عام ہو جائے گا... اس طرح دارالعلوم میں بھی ایک کمی ہے کہ یہاں شعبۂ تجوید نہیں ہے وہ بھی پوری ہو جائے گی... اور دوسرے طلباء بھی قرآن پاک تجوید کے ساتھ پڑھنے کی مشق کر لیں گے... چنانچہ حضرت ممدوح نے اسے بخوشی منظور فرمایا... اور دارالعلوم میں شعبۂ تجوید قائم کر کے قاری صاحب موصوف دارالعلوم کے مجود قرار پائے اور حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسی بچہ کو اسی شعبۂ دارالعلوم دیوبند میں داخل فرما دیا...

اس طرح ابتداء سے لے کر انتہا تک آپ کی تعلیم دارالعلوم دیوبند کی آغوش میں ہوئی...

خود آپ کا ہی یہ بیان ہے اور دوسرے حضرات کا بھی کہ ابتداء عمر میں آپ کی آواز بہت بہتر اور بلند تھی اور اول درجہ کی خوش آواز شمار ہوتے تھے اس وقت کے اکابر اور اساتذہ بہت شوق سے آپ سے قرآن پاک کا رکوع پڑھوا کر سنا کرتے تھے... خود سرپرست مدرسہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ جب کبھی تشریف لاتے یا آپ گنگوہ جاتے تو حضرت آپ کو بلاتے اور قرآن پڑھوا کر سنتے تھے... اس وقت آپ کی عمر سات آٹھ برس کی ہوگی... سنکر بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے تھے...

اور صاحب سوانح ہی سے سنا کہ وہ اکثر حضرت کے سامنے اللہ نور السموات والارض کا رکوع پڑھا کرتے تھے...

خود حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کا بیان ہے کہ جس سال میں نے عربی شروع کی اس سال ایک رات یہ خواب دیکھا کہ ہاپوڑ سے جو ریلوے لائن مراد آباد جاتی ہے اس ٹرین میں اپنے تمام اکابر موجود ہیں حضرت اقدس نانوتویؒ بھی سوار ہیں... امروہہ سے پہلے گنگا کا پل آتا ہے ریل گاڑی اس پر آ کر ٹھہر گئی رات کا وقت ہے میں چھوٹا بچہ تھا کھیلتے ہوئے گاڑی سے نیچے اتر گیا... میں نے دیکھا کہ گنگا کے اندر سینکڑوں دیواریں پانی میں پھیلی ہوئی ہیں... کوئی ادھر جا رہی ہے اور کوئی ادھر... اور ان کے نیچے پانی بہہ رہا ہے... میں ان دیواروں پر ٹہلتے ٹہلتے دور نکل گیا... اس وقت میری عمر کوئی دس سال یا گیارہ سال کی تھی... میزان منشعب شروع ہو چکا تھا حضرت نانوتویؒ نے جب مجھے اپنے پاس نہیں پایا تو پوچھا طیب کہاں گیا؟ کہیں باہر تو نہیں نکل گیا... رات کا وقت ہے اور نیچے بڑا دریا ہے اسے تلاش کر کے لاؤ بعض حضرات میری تلاش میں نکلے میرے پاس پہنچ کر کہنے لگے تم کہاں چلے آئے... حضرت خفا ہو رہے ہیں.. میں ان کے ساتھ ریل کے ڈبہ میں آیا، دیکھا کہ پورا ڈبہ اکابر سے بھرا ہوا ہے... حضرت بھی تشریف فرما ہیں... اور آپ کے سامنے حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ اور حضرت شیخ الہند ...دونوں مخصوص تلامذہ با ادب بیٹھے ہوئے ہیں، مجھے حضرت کے سامنے لایا گیا تو حضرت نے فرمایا تو کہاں گیا تھا؟ میں نے کہا دریا کی سیر کرنے

گیا تھا.. فرمایا یہ دریا کی سیر کا وقت ہے... پھر پوچھا جو کچھ پڑھا ہے کچھ یاد بھی ہے؟

میں نے کہا خوب یاد ہے، پھر تو حضرت نے میرا امتحان لیا.. مگر میں ہر سوال کا جواب پورے طور پر نہیں دے سکا، فرمایا کیا اسی کو یاد کہتے ہیں... اس کے بعد محبت سے مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور زور سے دبایا... اور فرمایا اچھا ''امکان نظیر'' پر تقریر کرو میں بہت تیزی سے فر فر تقریر کرنے لگا.. حضرت اس وقت اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھے ہوئے تھے، جب اس موضوع پر تقریر پوری ہو چکی تو فرمایا...اب ''امکان کذب'' پر تقریر کرو... میں نے اس عنوان پر بھی بڑی تیزی سے تقریر کی...

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ، فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ خواب اپنے اکابر سے بیان کیا تو انہوں نے یہی تعبیر دی کہ خواب بہت مبارک ہے اللہ تعالیٰ تم کو علم و دین عنایت فرمائیں گے اور حضرت نانوتویؒ کی طرف سے علم کا فیضان ہوگا...

دوسرا خواب اس سال دیکھا جس سال آپ دورۂ حدیث پڑھ رہے تھے...

فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ دارالعلوم میں بڑی ہمہ ہمی ہے...اور ایک جشن کی صورت ہے...

میں نے طلبہ سے دریافت کیا آج کیا بات ہے جس کی یہ دھوم دھام ہے اور جشن کی تیاری...

طلبہ نے بتایا آج بخاری شریف کا ختم ہے...اور ختم کرانے حضرت نانوتوی قدس سرہ تشریف لا رہے ہیں...

میں بہت خوش ہوا کہ چلوں حضرت کی زیارت کروں گا میں نے دیکھا کہ حضرت نانوتویؒ دارالحدیث کے شمالی زینے سے نیچے اتر رہے ہیں...اور نیچے کی طرف تشریف لا رہے ہیں ایک چھوٹا سا سفید عمامہ باندھے ہوئے ہیں اور عمامہ کے اوپر ایک سفید چادر اس طرح اوڑھے ہوئے ہیں کہ چہرہ کچھ کچھ تھوڑا کھلا ہوا ہے مگر پورا کھلا ہوا نہیں ہے...البتہ داڑھی کے بال کچھ نظر آ رہے ہیں...

حضرت تیزی سے مولسری کے کنواں کی طرف آ رہے ہیں اس موقع سے حضرت کی

زیارت ہوئی...

ان دنوں خوابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتوی کو پوتے کے عالم دین ہونے کی بے حد مسرت ہوئی... اور ہونی چاہیے...

☆☆☆☆

بارہ برس کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا...

والد صاحب کی طرف سے ترکہ میں ایک باغ ملا

آپ شب و روز اسی باغ کی نگرانی کرتے رہے...

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کے پاس باغ میں ایک مجذوب تشریف لائے آپ نے ان کے سامنے اپنے باغ کے عمدہ انگور پیش کیے...

مہمان مجذوب نے انگور کھانے سے انکار کر دیا...

آپ بڑے متعجب ہوئے...

اسی لمحہ اس مجذوب نے کیا کیا کہ اپنی بغل میں موجود تھیلے سے روٹی وغیرہ کا ٹکڑا نکال کر چبانے لگے...

کچھ دیر چبانے کے بعد اسے منہ سے نکالا اور آپ کے منہ میں دے دیا اس ٹکڑے کا کھانا تھا کہ دل کی کیفیت بدل گئی اور وہ انوار الٰہی سے منور ہو گیا... دنیا اور دنیا کی چیزوں سے تعلق یکسر ختم ہو گیا بالآخر آپ تلاش حق میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سفر کرتے کرتے سمرقند جا پہنچے...

سمرقند میں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور پھر دینی علوم کی تحصیل میں مصروف ہو گئے...

علوم سے فراغت کے بعد سمرقند سے عراق کی طرف روانہ ہوئے عراق کے قصبہ ہارون میں حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمہ اللہ کے پاس پہنچے ان کے پاس رہنے لگے...

حضرت شیخ ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بصیرت سے پہلی آنکھ ہی سے آپ کو اپنے خاص مریدین میں شامل کر لیا اور بیعت سے مشرف فرمایا...

بچو! یہ عظیم شخص حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ تھے... بچپن میں آپ کے پاس باغ میں آنے والے مجذوب کا نام ابراہیم قلندر تھا...

ہندوستان اور اس کے اطراف میں تبلیغ دین کے لئے آپ کی کوششیں آج بھی ہر شخص کی زبان پر عام ہیں...

☆☆☆☆

بچپن ہی میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا

والدہ ماجدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا... بچپن ہی سے آپ میں ولایت کے آثار واضح تھے...

والدہ نے جب آپ کے جواہر دیکھے تو آپ کی تعلیم کیلئے کوشاں رہیں چنانچہ حضرت مولانا ابوالحفص رحمہ اللہ جیسے بزرگ استاد کے پاس لے جا کر تعلیم کی درخواست کی گئی...

استاد بھی ولی تھا تو شاگرد بھی باکمال تھا اس لئے تھوڑے عرصہ میں آپ نے نہ صرف ظاہری علوم کی تحصیل کر لی بلکہ باطنی علوم میں بھی کمال حاصل کر لیا...

اس باکمال بچے کا نام آج بھی بزرگان دین اور عوام و خواص میں احترام سے لیا جاتا ہے...

پیارے بچو! یہ واقعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ کا ہے...

☆☆☆☆

ایک وقت تھا جب ملتان علم و فضل کا مرکز اور قلعہ اسلام کہلاتا تھا... چنانچہ آپ بھی ملتان تشریف لے آئے... اور ملتان کے جلیل القدر علماء و فضلاء سے تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی...

ایک دن کا واقعہ ہے آپ مسجد میں کتاب نافع (دینی احکام کی کتاب) کا مطالعہ کر رہے تھے...

اتفاق سے انہی ایام میں حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ بھی ملتان میں رونق افروز تھے...

حضرت نماز کیلئے اسی مسجد میں تشریف لائے جہاں یہ طالب علم مطالعہ میں مصروف تھا...

حضرت کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو پوچھا......

مسعود کیا پڑھتے ہو؟

طالب علم نے جواب میں کہا......

کتاب نافع

حضرت نے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ کتاب نافع سے تمہیں نفع ہوگا؟

عرض کی گئی کہ نہیں میں تو آپ کی نظر کیمیا کا محتاج ہوں یہ کہہ کر وہ طالب علم اٹھا اور اپنا سر شیخ رحمہ اللہ کے قدموں میں از راہ عقیدت جھکا دیا...

حضرت نے جھکے سر کو اٹھا اور طالب علم کو نہ صرف سینہ سے لگالیا بلکہ بیعت بھی فرمایا...

بعض اہل تاریخ سے منقول ہے کہ بیعت کی اس مبارک مجلس میں حضرت شیخ زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے...

شیخ جب ملتان سے دہلی روانہ ہونے لگے تو اس طالب علم نے بھی دہلی آنے کی تمنا ظاہر کی...

شیخ نے فرمایا:...... ابھی علوم وفنون کی تکمیل کرو کہ علم کے بغیر درویش نہایت خطرناک اور نقصان دہ ہوتا ہے...

اس طالب علم نے اپنے مرشد کی بات مان لی اور ملتان ہی میں رہ کر علم حاصل کیا حتیٰ کہ بہت بڑے عالم دین بن گئے...

یہ سعادت مند طالب علم کوئی اور نہیں بلکہ معروف بزرگ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ تھے...

☆☆☆☆
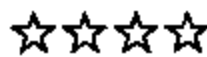
بڑوں کا بچپن بھی مثالی ہوتا ہے...

مولانا وجیہہ الدین رحمہ اللہ کے ہاں بھی ایک مثالی بچہ پیدا ہوا... جو نو عمری ہی میں اخلاق وعادات اور باطنی اوصاف سے نوازا گیا تھا... آپ بچپن ہی میں دوسرے بچوں کے لئے نمونہ اور مثال تھے...

جب آپ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو والد بزرگوار کا انتقال ہوگیا... ان حالات میں آپ دنیا میں مصائب ومشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے تنہا رہ گئے... لیکن خدا کی نصرت ومدد نے آپ کی دستگیری فرمائی آپ نے خود کو ظاہری وباطنی علوم سے آراستہ کرنے کے لئے وقف کردیا...

قرآن کریم حفظ کیا...

قرآن کی ساتوں قرأتوں میں مہارت حاصل کی...

علم کے شوق نے آپ کو خراسان پہنچا دیا... یہاں سات برس علماء سے علم حاصل کرتے رہے...

صرف بیس برس کی عمر میں علم وفضل کا یہ عالم تھا کہ علماء وفضلاء کی کثیر تعداد آپ سے علم حاصل کرتی تھی...

یہ عظیم انسان حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ کے نام سے معروف ہیں...

☆☆☆☆

والد محترم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے پوتے تھے... جبکہ والدہ ماجدہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ کی بہن تھیں... ان دونوں مبارک والدین کے ہاں ۱۱۰۵ء میں بچہ پیدا ہوا...

یہ خوش بخت بچہ بچپن ہی سے ذہین اور اعلیٰ حافظہ کا حامل تھا...

حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو اسباق دوسرے بچے مہینوں میں حاصل کرتے آپ چند دنوں میں حاصل کر لیتے تھے...

اس مبارک دور میں ہر گھر علم وفضل کا گہوارہ تھا... چنانچہ آپ نے گھر ہی میں سات برس تک علم میں کمال حاصل کر لیا... آپ کی والدہ آپ کو حضرت گنج شکر رحمہ اللہ کے پاس لے گئیں حضرت نے بھانجے کو دیکھا تو انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا بہن میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے ایسا سعادت مند فرزند مجھے لا کر دیا ہے جو سارے جہاں کو روشنی دینے والا ہے...

آپ نے کچھ عرصہ اپنے ماموں کے پاس گزارا اور روحانیت میں کمال حاصل کر لیا...

پیارے بچو! یہ مبارک بچپن حضرت علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری رحمہ اللہ کا ہے...

☆☆☆☆

پانچ برس کی عمر میں والد محترم کا انتقال ہو گیا... والدہ ماجدہ صاحب کرامت اور عابدہ زاہدہ خاتون تھیں... انہوں نے آپ کی تعلیم وتربیت کا فریضہ سرانجام دیا...

سب سے پہلے قرآن کریم کی تعلیم کے لئے مدرسہ میں داخل ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن کریم مکمل کرلیا...

پھر عربی کی ابتدائی تعلیم شروع کی تو غیر معمولی استعداد کی بدولت کچھ عرصہ میں یہ تعلیم بھی مکمل کرلی...

مشہور عالم حضرت مولانا علاء الدین اصولی (صاحب قدوری) نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی... اس مبارک مجلس میں متعدد اللہ والوں نے یہ پیشین گوئی فرمائی کہ اس لڑکے کا سر کسی انسان کے آگے نہیں جھکے گا...

آپ کی پوری زندگی میں یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی...

مزید تعلیم کے لئے دہلی کے لئے رخت سفر باندھا اور وہاں کے ارباب علم فضل سے علم حاصل کرتے رہے...

کچھ عرصہ بعد آپ کا شمار بڑے علماء میں ہونے لگا اور آپ کی خانقاہ ظاہری و باطنی علوم کا مرکز بن گئی... یہ تھا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا مبارک بچپن...

☆☆☆☆

کچھ لوگ خراسان سے ہجرت کرکے ہندوستان آئے... یہاں لاہور میں مقیم ہوئے ان میں حضرت سید عبداللطیف صاحب بھی تھے... آپ کے ہاں حضرت سید یحیٰی رحمہ اللہ پیدا ہوئے...

سید یحیٰی ہندوستان کے علاقہ اودھ تشریف لے گئے...

یہاں آپ کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام نصیر الدین رکھا گیا...

اس بچے کی عمر صرف نو برس ہی تھی کہ والد بزرگوار سید یحیٰی کا انتقال ہوگیا..

.آپ کی تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آگئی...

انہوں نے اس عظیم فریضہ کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا اور کسی روز بھی آپ کی تعلیم سے غافل نہ ہوئیں...

آپ کی والدہ ماجدہ عابدہ زاہدہ خاتون تھیں گھر کے دینی ماحول کے اثر سے

آپ بچپن ہی سے نماز باجماعت کے پابند ہو گئے... حتیٰ کہ سفر و حضر میں کسی وقت بھی نماز فوت نہ کرتے تھے...

کم سنی کی عمر میں مجاہدہ و ریاضت کے بے حد شوقین تھے... ہمیشہ روزہ سے رہتے اور یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے کے لئے جنگل میں تشریف لے جاتے... یوں آپ نے اپنی زندگی اہل اللہ کی صحبت میں بسر فرمائی اور خود بھی ولایت کے بلند مقام پر فائز ہوئے...

یہ حضرت شیخ محمد نصیر الدین چراغ دہلوی رحمہ اللہ کے بچپن کی کہانی ہے...

☆☆☆☆

حضرت ابوالفتح محمد چار سال کی عمر کے تھے تو آپ کے والد دہلی سے دیوگیر منتقل ہو گئے...

جب آپکی عمر صرف آٹھ سال کی تھی تو آپ کی طبیعت میں دینداری کا شوق پیدا ہوا...

ننھے بچے آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے...

حضرت ابوالفتح کو کم عمری کے زمانہ میں ہی مشائخ اہل اللہ کی طرف سے مبارکباد عنایت ہوتی رہتی...

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے حاصل کی۔ پھر دیگر اساتذہ سے دینی علوم کی تعلیم پائی...

آپکے والد بزرگوار اور نانا اکثر اپنی مجالس میں حضرت نظام الدین اولیاء اللہ اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کا ذکر فرماتے...

چنانچہ آپ کو بچپن ہی میں ان حضرات سے عقیدت و محبت ہو گئی اور حضرت چراغ دہلوی رحمہ اللہ کے دیدار و ملاقات کے منتظر رہتے...

کچھ عرصہ بعد والد بزرگوار کا انتقال ہوا تو والدہ ماجدہ بچوں سمیت دہلی تشریف لے آئیں...

آپ بھی خوشی خوشی دہلی روانہ ہوئے تاکہ وہاں حضرت چراغ دہلوی رحمہ اللہ کی زیارت نصیب ہو سکے...

دہلی پہنچنے پر جمعۃ المبارک کی نماز ادا کرنے سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں تشریف لائے...

مسجد میں دور ہی سے حضرت چراغ دہلوی رحمہ اللہ کی زیارت ہوئی تو چہرہ مبارک کے جمال وانوار سے دل میں محبت وعقیدت مزید پختہ ہو گئی...

رجب المرجب ۷۳۶ھ میں حضرت چراغ دہلوی رحمہ اللہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور باطنی علوم میں ترقی کرتے رہے...

ایک روز اپنے مرشد سے عرض کیا...

حضرت! عبادت وریاضت کی تکمیل میں علوم کی تحصیل رکاوٹ ہے لہٰذا میں دینی علوم کو چھوڑنا چاہتا ہوں...

حضرت نے فرمایا:...

دینی علوم بھی بہت ضروری ہیں کتابیں خوب غور سے پڑھو تم سے ایک کام لینا ہے...

اپنے پیرومرشد کی ہدایت کے مطابق آپ باطنی علوم فیوض کے ساتھ ظاہری علوم بھی حاصل کرتے رہے اور اپنے زمانہ کے بڑے علماء سے حصول علم فرماتے رہے...

صرف انیس برس کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فراغت حاصل کر لی...

حضرت ابوالفتح محمد رحمہ اللہ اپنے لقب گیسودراز سے معروف ومقبول ہیں...

اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ اپنے مرشد حضرت دہلوی رحمہ اللہ کی پالکی دیگر مریدوں کے ساتھ اٹھائے جارہے تھے آپ کے بال بڑے بڑے تھے جو اتفاق سے پالکی کے پاؤں میں الجھ گئے اسی حالت میں آپ برابر پالکی اٹھائے جاتے رہے...اور اپنی تکلیف کو برداشت کرتے رہے...

مرشد کے غایت ادب واحترام کی وجہ سے اپنے الجھے بال پالکی سے نہ نکال سکے جب اس تکلیف کی خبر آپ کے مرشد کو پہنچی تو انہوں نے نہایت مسرت کا اظہار فرمایا...

اس واقعہ کے بعد آپ گیسودراز کے لقب سے مشہور ہوئے...

☆☆☆☆
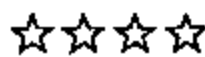
آپ کے والد بلخ کے امیرزادوں میں سے تھے جو فسادات کی وجہ سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لے آئے تھے...

آپ کے والد خاندانی وجاہت اور غیر معمولی استعداد کی بنا پر ہندوستان کے بادشاہ کے مقرب بن گئے... یہاں ان کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے ان میں سے سب سے چھوٹے ابوالحسن تھے آپ کی ولادت کے بعد آپ کے والد انہیں کپڑے میں لپیٹ کر ایک مجذوب بزرگ کے پاس لے گئے...

مجذوب نے دیکھتے ہی کہا

امیر! یہ لڑکا غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہوگا اور مشہور شاعر فاقانی سے بھی دو قدم آگے ہوگا...

اس نونہار بچے کی تعلیم آپ کے نانا عمادالملک کے ہاں ہوئی... باکمال نانا کے علاوہ والد اور دوسرے بہن بھائی سب ہی آپ کی تعلیم وتربیت کا خیال رکھتے...

صرف نو برس کی عمر تھی کہ والد بزرگوار کی شہادت ہوگئی اس وقت آپ کے نانا کی عمر ایک سو تیرہ برس تھی... لیکن اس بڑھاپے میں بھی وہ ہونہار نواسے کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہے...

کچھ عرصہ بعد آپ کی تعلیم مکمل ہوئی اور آپ کا شمار فضلاء وقت میں ہونے لگا آپ بچپن ہی سے خوب حاضر جواب، عالی طبع اور خوش آواز تھے... شعر وشاعری سے فطری لگاؤ تھا...

خوب اچھے شعر کہتے اور لوگ تحسین وداد دیتے... چونکہ سارا گھرانہ علم وادب کا گہوارہ تھا اس لئے آپ اپنے اشعار بڑے بھائی کو دکھاتے جو مناسب اصلاح فرما دیتے...

مورخین نے لکھا ہے کہ آپ ابھی علوم وفنون کی تکمیل کر رہے تھے کہ آپ کی عمر بمشکل آٹھ نو برس تھی کہ اپنے بھائی اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ حضرت محبوب الٰہی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرشد کامل کے دامن میں پناہ لی اور بیعت کا شرف حاصل کیا...

ظاہری علوم وفنون کی تکمیل کے بعد پوری توجہ اپنے مرشد کی طرف کر دی...

حضرت محبوب الٰہی بھی نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آتے...

ایک مرتبہ آپ نے اپنے مرشد کی خدمت میں ایک شعر پیش کیا...

شیخ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا...

کیا مانگتے ہو؟

آپ نے درخواست کی کہ دعا فرمائیں میں شیریں سخن ہو جاؤں (یعنی میری زبان اور کلام نہایت عمدہ ہو جائے)

ہنس کر شیخ نے فرمایا

چارپائی کے نیچے شکر کی تھال رکھی ہے اس میں سے کچھ کھا لو اور کچھ سر پہ ڈال لو...

آپ نے تعمیل کی تو چند سالوں میں ہی آپ کی شیریں سخن پورے عالم میں پھیل گئی اور آپ کو شاعر بے بدل تسلیم کیا گیا...

یہ باکمال بچہ سلطان الشعراء خواجہ ابوالحسن امیر خسرو دہلوی رحمہ اللہ کے نام سے معروف ہوا...اور اپنی باکمال زندگی کی بدولت آج بھی عوام وخواص میں نہایت ادب و احترام کا درجہ رکھتے ہیں...

☆☆☆☆

۱۷۹ھ میں کابل میں آپ کی پیدائش ہوئی...آپ ہندوستان کے نہایت معزز خاندان سے تھے...

آپ کی پیدائش پر آپ کے والد ماجد فرماتے ہیں...

''میرا فرزند ارجمند پیدائشی ولی ہے اس کی ولادت باسعادت میرے اور میرے خاندان کے لئے باعث برکت ہے...''

آپ کی عمر پانچ برس کو پہنچی تو والد کی نگرانی میں علم کی تحصیل میں مصروف ہو گئے... ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد مزید تعلیم وتربیت کے لئے اپنے زمانہ کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا صادق صاحب کے سپرد کئے گئے...

باکمال استاد کی تربیت میں علم کے ساتھ ساتھ باطنی ترقی میں بھی کمال حاصل کرتے رہے...آپ کو اپنے استاد محترم سے حد درجہ محبت وعقیدت تھی اور ہر وقت استاد صاحب کے ہمراہ رہتے...

ایک مرتبہ حضرت مولانا صادق صاحب کو کسی ضرورت کی وجہ سے ماوراء النہر (جگہ کا

نام) جانے کا اتفاق ہوا...

سعادت مند شاگرد بھی اس سفر میں ساتھ تھا استاد کے ہمراہ یہ سفر آپ کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا اور آپ نے اس علاقہ کے اہل علم وفضل سے خوب علوم حاصل کئے...

اس طرح نوعمری ہی میں آپ کا شمار بڑے علماء میں ہونے لگا اور آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی...

ولادت کے بعد والد صاحب کی پیشین گوئی حرف بحرف سچی ہوئی اور آپ دنیائے علم و فضل میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی دہلوی رحمہ اللہ کے معزز نام سے معروف ہوئے...

☆☆☆☆
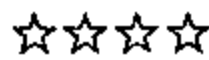
پیارے بچو! آئیے آپ کو ہندوستان کی ایک عظیم ہستی کے بچپن کے بارہ میں بتاتے ہیں آپ کا نام نامی امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ ہے...

آپ کی ولادت سرہند کے مقام پر ۹۷۱ھ میں ہوئی...

ولادت کے بعد آپ کے والد بزرگوار آپکو گود میں لے کر ایک بزرگ کے پاس لے گئے جو شاہ صاحب کے نام سے معروف تھے...

شاہ صاحب نے آپ کو گود میں لیا اور انگلی آپ کے منہ میں دے دی...

آپ نے اسے چوسا

شاہ صاحب فرمانے لگے: بابا بس کر واتنا ہی کافی ہے کچھ ہماری اولاد کے لئے بھی چھوڑ دو، تم نے تو ہماری ساری نسبت ہی کھینچ لی...

پھر شاہ صاحب نے فرمایا: یہ تمہارا لڑکا بڑا ہی مبلغ سنت ہوگا...

غرض ابتداء ہی سے آپ سے ایسے آثار ظاہر ہونے لگے تھے جو بتاتے تھے کہ یہ لڑکا غیر معمولی ہوگا اور پورا ہندوستان اس کے فیض سے سیراب ہوگا...

حضرت مجدد صاحب نے پہلے قرآن کریم مکمل حفظ کیا...

پھر والد محترم کے پاس علم حاصل کرتے رہے... کچھ ہی عرصہ بعد آپ کی ذہانت علمی مسائل میں ظاہر ہونے لگی...

اکثر علوم کی تحصیل کے بعد مزید علم حاصل کرنے کے لئے پنجاب سیالکوٹ تشریف لے گئے...اس زمانہ میں یہ علاقہ علم وفن کا بڑا مرکز تھا...اہل کمال علماء میں سے مولانا کمال کشمیری کی شہرت تھی...

حضرت مجدد نے مولانا کشمیری سے بعض علوم حاصل کئے...

حدیث کی کتب شیخ یعقوب کشمیری رحمہ اللہ سے پڑھیں...

اسی طرح بعض کتب حدیث عالم ربانی قاضی بلال بدخشانی سے بھی پڑھیں...

صرف سترہ برس کی عمر میں آپ نے ظاہری علوم کی تکمیل کر لی...

سیالکوٹ سے آگرہ تشریف لے آئے جو کہ علم وفضل کا مرکز تھا...اس وقت اکبر بادشاہ کی حکومت تھی اور مغلیہ دور تھا...

یہاں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا آپ کے درس کی شہرت سن کر دربار اکبری کا مشہور فاضل ابوالفضل فیضی بھی آپ کے تلامذہ میں شامل ہوا...دین کا فہم اور اتباع سنت کا ذوق پیدا کرنے کیلئے آپ کے خطوط کا مجموعہ دیکھا جا سکتا ہے...

آج بھی تقریباً پانچ صدیاں گزرنے کے باوجود ہر طبقہ میں آپ کا نام نہایت عزت و احترام سے لیا جاتا ہے...

☆☆☆☆
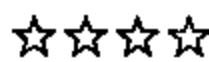
حضرت شہباز محمد بھاگل پوری رحمہ اللہ کی پیدائش شاہان سوری کے دور میں ۹۵۶ھ میں ہوئی...

آپ کا اصل وطن بخارا تھا...آپ کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد آپ کے والد شاہ محمد خطاب آپ کو لے کر بھاگل پور میں رونق افروز ہوئے...

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم کی زیرنگرانی شروع ہوئی... چونکہ والد صاحب بھی بڑے عالم اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے اس لئے تھوڑے ہی عرصہ میں ظاہری و باطنی علوم حاصل کر لئے اور یہ کیفیت تھی کہ بڑے بڑے علماء آپ کے سامنے مرعوب تھے والد

محترم سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے قنوج و دیگر مقامات کا بھی سفر فرمایا اور وہاں کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا...

الغرض بہت کم مدت میں آپکو علماء وارباب معرفت میں بلند ترین مرتبہ حاصل ہو گیا...

☆☆☆☆

حضرت کلیم اللہ ۱۰۶۰ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے...

آپ کے دادا شاہجہانی کے دور میں فن تعمیر میں کمال مہارت رکھتے تھے... علم و فضل کے گہوارہ اس خاندان نے حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب کی تعلیم و تربیت بھی اعلیٰ پیمانہ پر کی...

آپ نے بھی نہایت ذوق و شوق اور بڑی محنت سے علم حاصل کیا...

کچھ عرصہ بعد آپ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے... اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے مشہور بزرگ شیخ یحییٰ مدنی رحمہ اللہ تھے یہاں آپ نے زیادہ وقت حضرت شیخ مدنی کی خدمت میں گزارا...

ایک دن شیخ مدنی کسی شاگرد کو شرح وقایہ پڑھا رہے تھے شاہ کلیم اللہ کے دل میں خیال آیا کہ شیخ مدنی تو صرف ظاہری علوم ہی کے ماہر ہیں...

حضرت شیخ نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور وہ کتاب شاہ کلیم اللہ کے ہاتھ میں دے دی...

ادھر حضرت شاہ کلیم اللہ کا یہ حال ہوا کہ کتاب کی عبارت تک سمجھ میں نہ آئی آپ نے فوراً اس خیال سے توبہ کی...

پھر شیخ کے علوم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے دست حق پرست پر بیعت کر لی...

آپ کچھ عرصہ تک حجاز میں مقیم رہے اور شیخ نے انہیں اپنے خلافت سے نوازا...

☆☆☆☆

حضرت شاہ سلیمان کی ولادت ۱۱۸۴ھ میں ہوئی...

آپ کی شیر خوارگی کے زمانہ ہی میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا...

والدہ ماجدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھا...

چار برس کی عمر میں قرآن مجید کی تعلیم کے لئے ملا یوسف جعفر کے پاس بھیجا گیا کچھ

عرصہ بعد میاں حسن علی کے مدرسہ میں داخل ہوگئے...

بچپن ہی سے آپ پر بزرگوں کی نظر کرم تھی... ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ تونسہ شریف سے بیس کوس دور ایک جگہ کتاب خریدنے کے لئے تشریف لے گئے...

وہاں مولانا نور محمد صاحب سے ملاقات ہوئی جو حافظ جمال الدین صاحب کے بڑے خلیفہ تھے... مولانا نے آپ کو دیکھا تو بہت عزت کی اور بڑھاپے کے باوجود پیدل چلتے رہے اور شاہ صاحب کو گھوڑے پر سوار کرلیا...

مولانا نور محمد صاحب کے ایک مرید نے دیکھا تو عرض کی...

حضرت! آپ ضعیف ہونے کے باوجود پیدل چل رہے ہیں اور نوجوان کو گھوڑے پر سوار کر رکھا ہے...

اس پر حضرت نے غصہ کی نظروں سے مرید کو دیکھ کر فرمایا

خاموش رہو بے ادب! تم ان کی شان سے واقف نہیں...

یوں مشائخ اور بڑے علماء کی صحبت میں آپ ظاہری و باطنی علوم میں کمال حاصل کرتے رہے...

☆☆☆☆

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ کی ولادت یکم رمضان ۱۲۱۴ھ میں ہوئی...

آپ کا بچپن دوسرے بچوں سے مختلف تھا کھیل کود میں وقت ضائع نہ کرتے بلکہ دن بھر اللہ اللہ کرتے رہتے... اور بچوں سے کہتے ہم دنیا میں کھیلنے کے لئے نہیں آئے ہیں...

آپ کی باتیں شروع ہی سے پر مغز اور علمی ہوتیں اور پرکشش اس قدر کہ محلے کی عورتیں آپ کی باتیں سننے کے لئے جمع ہوجاتیں...

گیارہ برس کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا...

والد صاحب نے جو تھوڑا بہت سرمایہ چھوڑا تھا وہ بھی ختم ہوگیا... اس زمانہ میں جب خوفناک قحط پڑا... تو آپ کی والدہ محترمہ نے گھر کا دروازہ بند کرلیا اور گھر میں جو درخت کے پتے وغیرہ تھے انہیں ابال ابال کر خود بھی کھاتیں اور اپنے بچے کو بھی کھلاتیں...

آپ کے رشتہ داروں میں ایسے مالدار لوگ بھی موجود تھے جن سے مالی مدد لی جا سکتی تھی لیکن باہمت والدہ نے اس قدر تنگی کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا... اور توکل وقناعت کی ایک مثال قائم کردی...

اس قدر تشویشناک حالات میں علم کے حصول کا امکان نہ تھا لیکن حضرت نے ہمت نہ ہاری اور فاقہ کشی کے باوجود برابر تعلیم حاصل کرتے رہے...

ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ ہی میں حاصل کی... پھر لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں بڑے بڑے اہل علم سے تعلیم حاصل کرتے رہے...

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پورے ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے علم وفضل کا شہرہ تھا...

حضرت کی شہرت سن کر آپ بھی دہلی کے لئے روانہ ہوئے... مفلسی کا زمانہ تھا اس لئے خرچ کا سفر پاس نہ تھا اس لئے پیدل ہی روانہ ہوگئے...

بالآخر راستہ کی مشکلات کو برداشت کرتے کرتے منزل مقصود کو پہنچ گئے... حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے شاگردوں میں شامل ہوگئے...

مسلسل دو ماہ تک درس حدیث میں شامل رہے پھر دوبارہ دہلی تشریف لے گئے...

اس عرصہ میں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا تو آپ نے شاہ محمد اسحٰق رحمہ اللہ سے علوم کی تکمیل کی...

علوم سے فراغت کے وقت آپ کی عمر صرف سولہ یا سترہ برس تھی اس کم عمری میں بھی آپ کا شمار بڑے علماء میں ہوتا تھا...

ظاہری وباطنی علوم سے آراستہ ہوکر آپ اپنے چھوٹے سے قصبہ گنج مراد آباد رونق افروز ہوئے اور رفتہ رفتہ یہ قصبہ روحانیت کا بڑا مرکز بن گیا...

☆☆☆☆

حافظ محمد احمد صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی آپ نے ساٹھ برس تک دوسری شادی نہ کی...

ایک مرتبہ ایک مجذوب بزرگ نے آپ کو دیکھ کر کہا

تم شادی کرو میں تمہاری پشت میں ایک ایسا نور دیکھتا ہوں جس سے ایک عالم منور ہوگا...

چنانچہ حافظ صاحب نے ایک معزز خاندان میں شادی کی...آپ کے ہاں تین صاحبزادے ہوئے...

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری...

حافظ عبدالعزیز صاحب، حافظ محمد خلیل صاحب اور ایک صاحبزادہ

کچھ عرصہ بعد حافظ محمد احمد صاحب کا انتقال ہوگیا...حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں والدین نے آپ کا نام غلام جیلانی رکھا لیکن جب آپ رائے پور میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے نام دریافت فرمایا...

آپ نے غلام جیلانی بتایا...

حضرت نے فرمایا:

آپ تو عبدالقادر ہیں...پس اسی وقت سے یہ نام مشہور ہوگیا...

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا حافظ محمد یٰسین اور مولانا کلیم اللہ صاحب سے حاصل کی...

مکمل قرآن مجید حفظ کیا پھر دینی علوم کی تحصیل کا سلسلہ بھی جاری رہا...مراح الدواح اور قال اقول تک مولانا محمد خلیل صاحب سے پڑھا جو بلند پایہ بزرگ تھے...پھر دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقے (جو علمی مرکز سمجھے جاتے تھے) کا رخت سفر باندھا...

۱۳۱۴ھ میں سہارن پور میں مولانا ثابت علی سے شرح جامی شروع کی...

۱۳۱۴ھ میں پانی پت کا سفر کیا اور مولانا محمد یحیٰی صاحب سے شرح جامی پڑھی...

رام پور میں کچھ عرصہ رہے پھر دہلی کا سفر کیا...اس دور میں دہلی فقہی مسائل اور عقائد

کے مناظروں کا میدان بنا ہوا تھا...

فریقین کی باتیں سن کر آپ کی طبیعت میں جامعیت اور اعتدال کا رنگ پیدا ہو گیا...

فرماتے کہ جب کبھی طبیعت میں بے چینی اور حق کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوتا تو دو رکعت نفل پڑھتا اور عاجزی سے دعا کرتا فوراً طبیعت بحال ہو جاتی اور اطمینان ہو جاتا... یوں آپ مختلف شہروں میں جا جا کر علم کی پیاس بجھاتے رہے...

☆☆☆☆

حضرت مولانا حماد اللہ صاحب سکھر کے علاقہ میں ایک گاؤں ہالیجی کے رہنے والے تھے...

یہ گاؤں ضلع سکھر میں قصبہ پنوں عاقل کے قریب ہے...

حضرت اقدسؒ بے شمار گمنام بستیوں میں سے اس ایک بستی ہالیجی میں چودھویں صدی ہجری کی ابتداء یعنی ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے...

ماں باپ جب بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو رہے تھے اس وقت اللہ کی رحمت جلوہ فگن ہوئی اور حضرت اقدسؒ کے وجود نے ایک بے نور و بے چراغ گھر کو روشن کیا...

والدین کو اپنی اس اکلوتی اولاد سے جو بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھی جو تعلق رہا ہوگا اس کو بتانے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں... ایسے موقع پر بسا اوقات والدین محبت اور لاڈ و پیار میں اولاد کی تعلیم و تربیت سے غافل رہ جاتے ہیں لیکن مولانا کے والد نے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت سے چشم پوشی نہیں کی...

مولانا کی عمر جب چار پانچ سال کی ہوئی تو والد محترم نے ان کی تعلیم کے لئے ایک مولوی صاحب کو مسجد میں مقرر کر دیا اور محبت کی بناء پر خود اپنے بیٹے کی انگلی پکڑ کر مسجد میں لے جاتے... جب تک بچہ پڑھتا ابا جان وہیں بیٹھے رہتے۔ لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت اقدسؒ کے والد کا سایہ رحمت سر سے اٹھ گیا...

والد کے انتقال کر جانے کے بعد بھی تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا... البتہ اس میں سستی آ گئی... یتیمی کے صدمے کے بعد فطرتاً حضرت کی طبیعت اچاٹ ہوگئی... بوڑھی والدہ کتنا اہتمام کرتیں انہیں بیوگی کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا تھا اور اولاد تھی نہیں کہ کچھ سہارا ہوتا...

نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت کی سستی پر ایک روز استاد نے بہت زدوکوب کر دیا... طبیعت تو پہلے ہی سے اچاٹ تھی اس زدوکوب نے اور بھی حوصلہ توڑ دیا... مولانا فرماتے ہیں کہ:

''میں یہاں سے بھاگ کر ایک گاؤں جو کہ جنوب کی طرف واقع تھا، قرآن کریم پڑھنے چلا گیا... وہاں پر ایک مولوی صاحب تھے جن کا نام مٹھا تھا... جیسا کہ ان کا نام تھا اللہ تعالیٰ نے ویسا ہی مزاج بھی بنایا تھا... نہایت شیریں کلام اور نرم مزاج تھے...''

مولانا نے یہاں سہولت کے ساتھ قرآن پاک ختم کر لیا... لیکن چونکہ استاد نرم تھے اس لئے قرآن شریف میں جتنی محنت چاہئے تھی وہ نہ ہو سکی... اس لئے اس میں پختگی نہ آ سکی اور قرآن رواں نہ ہوا...

حضرت... فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک عرصہ تک کھیل کود اور بکریاں چرانے میں مشغول رہا... ایک مرد صالح خدا پرست جو کہ اسی قرب و جوار میں سکونت پذیر تھا... میرے گھر آیا اور مجھ کو نصیحت کی کہ علم حاصل کرو، بکریاں چرانے سے کیا فائدہ ہوگا...

علم دنیا اور آخرت میں نجات کا باعث ہوگا اور میری والدہ ماجدہ کو بھی بہت سمجھایا اور نصیحت کی کہ اس بچے کو علم دین پڑھاؤ...''

اب طبیعت کے پلٹنے کا وقت آ گیا تھا پہلے تو اس نصیحت کا اثر نہیں ہوا لیکن وہ مرد صالح بھی ہمت نہیں ہارا بالآخر مولانا کے دل میں بھی یہ بات بیٹھ گئی کہ علم حاصل کرنا چاہئے...

طبیعت کا رنگ ابتداء سے پختہ تھا... جب تک پڑھنا شروع نہیں کیا تھا اس وقت تک کسی کے کہنے سننے کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور جب تعلیم کی طرف مائل ہوئے تو اس راہ کی کوئی مشقت اور دشواری، رکاوٹ نہ بن سکی...

مولانا گھر سے نکلے تو جہاں جہاں مدرسے تھے، وہاں وہاں پہنچے... لیکن کہیں کی تعلیم اور ماحول پسند نہیں آیا تو کہیں طلبہ کی تعداد زیادہ تھی... تاہم مولانا فرماتے ہیں کہ:

''لیکن میں نے کہا کہ اگر یہاں مجھ کو سبق ملتا رہے تو جو کچھ بھی کم و بیش کھانے کو ملتا رہے اسی پر صبر کروں گا... مگر اس کے باوجود میرا داخلہ یہاں ممکن نہ ہوا... پھر میں نے مدرسہ

سومرانی میں علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا لیکن بعض طلبہ سے معلوم ہوا کہ مدرسہ سومرانی میں بھی طلبہ کی تعداد بہت ہے... میرا داخلہ وہاں بھی مشکل ہوگا...''

ایک ایسا طالب علم جو پڑھنے سے بھاگا تھا اس کے دل میں پڑھنے کا شوق تھا جب ادھر متوجہ ہوا تو جہاں جاتا ہے دروازہ بند پاتا ہے... ہمت شکنی کے تمام اسباب موجود ہیں اگر وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتا تو کچھ تعجب نہ تھا مگر اب اسے توفیق الٰہی کھینچ رہی تھی... اب اسے پڑھنا ہے خواہ کتنا ہی ہٹایا جائے...

اس وقت ایک بہت کامل عالم اور جید مدرس حضرت مولانا محمد واصل صاحب بروہیؒ بستی ابراہیم میں پڑھایا کرتے تھے... بعض طلبہ نے وہاں جانے کا مشورہ دیا اور بتایا کہ مولانا موصوف بہت محنت اور جانفشانی سے تعلیم دیتے ہیں وہاں تعلیم اچھی ہوتی ہے... مولانا سیدھے بستی ابراہیم پہنچے...

حسن اتفاق کہیے یا قدرت کا انتظام کہ وہاں حضرت کے ایک رشتہ دار مولوی محمد صادق صاحب زیر تعلیم تھے... وہاں حضرت کا داخلہ ہوگیا اور آپ محنت سے تعلیم حاصل کرنے لگے اس وقت آپ عربی کی ابتدائی کتابیں نحو میر وغیرہ پڑھ رہے تھے...

حضرت نے فرمایا کہ:

''اس مدرسہ میں اسباب خورد ونوش کی کچھ تنگی تھی چونکہ میں نیا تھا اس لئے طلبہ مخالفت کرتے تھے اور مجھے بقدر ہتھیلی کے برابر روٹی کا ٹکڑا دیتے تھے... میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا تھا کہ یہ بھی بڑی نعمت ہے اگر تعلیم اچھی ہو تو کھانے کے لئے جو کچھ بھی ہو اور جس قدر بھی ملے نہایت خوب ہے... چونکہ مولوی محمد واصل صاحب تعلیم میں بہت محنت فرماتے تھے... اس لئے یہاں مستقل قیام کا ارادہ کرلیا...''

جس طالب علم نے مصیبت کے ساتھ، نیم فاقہ کشی کی حالت میں اخلاص کے ساتھ پڑھنے کا عزم کرلیا تھا، اب دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ''ویرزقه من حیث لایحتسب'' کس رنگ میں ظہور کرتا ہے... دنیا والے اپنی تگ و دو اور جدوجہد کو روزی کا سبب سمجھتے ہیں لیکن عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ جس نے ایک کف دست روٹی پر قناعت

کرنے کا حوصلہ کرلیا ہے...اس کے لئے غیبی انتظام کہاں سے اور کیسے ہو رہا ہے...خود حضرت والا کی زبان مبارک سے سنئے...

''ایک شخص قوم مہر کا یہاں رہتا تھا جو کہ والد ماجد کا معتقد تھا...جب اس نے سنا کہ فلاں کا بیٹا پڑھنے کے لئے یہاں آیا ہوا ہے تو وہ خود اور اس کی بیوی مدرسہ میں آئی اور بہت محبت وشفقت کا اظہار کیا اور اپنے گھر پر لے گئے اور درخواست کی کہ آپ ہمیشہ ہمارے یہاں کھانا کھائیں...اس دن بھی مکھن اور شہد سے روٹی کھلائی...لیکن چونکہ میری طبیعت اپنے لئے کسی کو تکلیف دینا گوارہ نہیں کرتی تھی اس لئے میں نے ان سے کہا کہ روٹی مدرسہ میں کافی ہے...لیکن ان لوگوں کے بے حد اصرار پر میں نے کہا کہ آپ لوگ صرف لسی مدرسہ میں پہنچا دیا کریں...انہوں نے کہا کہ رات کو ہم دودھ بھی لائیں گے آپ قبول فرمایئے گا... چنانچہ رات میں دودھ اور دن میں لسی وہ شخص یا اس کی بیوی پہنچاتی رہی...''

حضرت اقدسؒ کا مزاج یکسوئی اور کام میں لگے رہنے کا تھا...جب تعلیم میں مشغول ہوئے تو پوری کوشش اور لگن کے ساتھ اس میں منہمک ہوگئے...اور علم میں خوب ملکہ پیدا کرلیا...حضرت والا نے فرمایا کہ:

''مجھے حصول علم میں بہت مشغولیت تھی کوئی دوسرا کام یا کھیل تفریح بالکل پسند نہیں تھی...

حضرت اقدسؒ فرماتے تھے کہ زیادہ تر علم میں نے اسی مدرسہ میں استاذی مولانا محمد واصل صاحب بروہیؒ کے پاس حاصل کیا...پھر عربی کی انتہائی تعلیم کے لئے حضرت کو دور دراز کا سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی...آپ کے قریب میں ہی آپ ہی کے قوم کے ایک زبردست عالم مولانا قمر الدین صاحب علیہ الرحمۃ موجود تھے انہیں استاذ العلماء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا...

حضرت مولانا قمر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے مشہور علمی خانوادہ خیر آبادی سلسلہ کے وابستگان میں تھے...حضرت مولانا فضل حق خیر آبادیؒ جن کی علمی شان اور جلالت قدر سب جانتے ہیں وہ اپنے وقت کے فارابی اور رازی تھے...ان کے ممتاز ترین شاگرد خود ان کے صاحبزادے مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی تھے، جن سے اس

خانوادے کو بڑا علمی عروج حاصل ہوا... ان کے شاگرد سندھ میں مولانا محمد اسماعیل صاحب ابڑو ہی تھے، مولانا محمد اسماعیل صاحب کے ممتاز شاگرد مولانا نظر محمد صاحب تھے... انہیں مولانا نظر محمد صاحب سے مولانا قمر الدین صاحب نے مکمل تعلیم حاصل کی...

ماضی قریب میں سندھ کے اندر مولانا قمر الدین صاحب زبردست محقق عالم گزرے ہیں... ان کے تلامذہ میں مولانا میر محمد صاحب نورنگی، مولانا عبدالوہاب صاحب کولاچی، مولانا محمد اسماعیل صاحب بھٹو گھونکی والے، مولانا دین محمد صاحب بھٹی والے، مولانا عبدالکریم صاحب کورائی (رحمہم اللہ) مشہور علماء ہیں...

حضرت ہالیجوی قدس سرہ نے تعلیم کی تکمیل انہیں استاذ العلماء مولانا قمر الدین صاحبؒ کی خدمت میں کی... ایک دو کتابیں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے بھی پڑھی ہیں... (تحفۃ السالکین ص ۲۵، ج ۳)

حضرت اقدسؒ نے جو کچھ پڑھا سندھ ہی کے مدارس میں پڑھا... باہر نکل کر دہلی، دیوبند یا فرنگی محل وغیرہ آنے کی نوبت نہیں آئی... لیکن یہیں رہ کر علم میں اتنا کمال پیدا کرلیا کہ اصحاب نظر علماء جنہوں نے بڑے بڑے علماء کی صحبت اٹھائی ہے وہ بھی حضرت کے علم و فضل کے بے ساختہ اعتراف فرماتے تھے...

☆☆☆☆
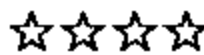
مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی یکم محرم ۱۲۸۷ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۷۱ء کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے...

آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرلیا تھا اور اس کے بعد چھ مہینے تک مسلسل اپنے والد کی طرف سے پابند رہے کہ جب تک قرآن مجید پورا حفظ نہ پڑھ لو گے روٹی نہ ملے گی، ہاں ختم کے بعد تمام دن چھٹی۔

مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں عموماً ظہر سے قبل پورا کلام مجید ختم کرلیا کرتا اور پھر کھانا کھا کر چھٹی کے وقت میں اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا۔

حفظ قرآن کے زمانہ میں آپ نے والد سے پوشیدہ فارسی کے بہت سے از خود دیکھ

لئے تھے، اور باوجود اسکے حفظ قرآن کے سبق پر اثر نہیں آنے دیا...

چھ مہینے گزرنے پر والد صاحب نے عربی شروع کرائی، اور خود ہی پڑھائی، تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تربیت بھی کی، وظائف کے زیادہ پابند اور تہجد کا خاص اہتمام فرمانے والے شب زندہ دار تھے اس لئے مولانا کو اور آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب کو آخر شب میں سویرے اٹھا دیا کرتے تھے کہ شروع ہی سے اس کی عادت پڑ جائے مولانا محمد صاحب تو اٹھ کر طویل نفلیں پڑھتے...

مگر مولانا محمد یحییٰ صاحب چند مختصر نوافل پڑھ کر کتاب دیکھنے میں لگ جاتے... مولانا فرمایا کرتے تھے، کہ والد صاحب کو وضو کے اوراد کا خاص اہتمام تھا اور ہم پر اصرار تھا کہ پابندی کریں مگر مجھے علم کی دھن تھی، اس لئے میں وضو کرتا ہوا بھی فارسی اور عربی کے لغات یاد کرتا والد صاحب میری رٹائی کو سنتے تو ملامت کے طور پر فرمایا کرتے تھے، خوب وضو کی دعائیں پڑھی جارہی ہیں، شرم کی بات ہے...

مولانا محمد یحییٰ صاحب کی علمی استعداد اور علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ فنون کی مہارت تامہ اس نوعمری میں مسلم ومشہور تھی، اور علماء عصر میں حیرت کی نظروں سے دیکھی گئی کہ بڑوں بڑوں کو مولانا سے علمی مکالمہ کرنے میں فخر تھا...

اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اکثر کتابیں آپ نے خود دیکھی اور استاذ سے بہت کم پڑھی تھیں...

عربی ادب میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ نثر اور نظم دونوں بے تکلف لکھتے مگر یوں فرمایا کرتے تھے کہ تمام ادب میں استاذ سے میں نے صرف مقامات حریری کے ۹ مقامے پڑھے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ استاذ نے کہہ دیا تھا، میرے مکان کو آتے جاتے راستے میں پڑھ لیا کرو، اس لئے میں ساتھ جاتا اور راستہ میں پڑھا کرتا، اور اکثر جگہ استاد فرمایا کرتے کہ اس لفظ کے معنی مجھے معلوم نہیں خود دیکھ لینا، یہ ادب کے استاذ شیخ الہند (مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی) کے بڑے بھائی حکیم مولانا محمد حسن صاحب دیوبندی تھے، اور اس لئے آپ ان کا ہمیشہ احترام بھی کرتے اور استاد کے لقب سے پکارا کرتے تھے، محض اسی کی خاطر مولانا کا

چند روز دیوبند قیام رہا کہ نصف مقامہ یا کچھ زیادہ روزانہ ہو جایا کرتا، نو مقامے پڑھ کر آپ وہاں سے کاندھلہ آ گئے مولانا یحییٰ صاحب نے ادب کی اکثر درسی کتابیں محض اپنے حافظہ سے طلبہ کو لکھ کر دے دیں اور چلتے پھرتے نہایت بے پرواہی کے ساتھ پڑھائی ہیں... چنانچہ نفحۃ الیمن، متنبی، اور حماسہ ان کے لکھے ہوئے اب بھی موجود ہیں...

دیوبند میں آپ نو مقامے پڑھ کر کاندھلہ تشریف لائے اور وطن کے مدرسہ عربیہ میں مولانا ید اللہ صاحب سنبھلی سے کہ وہ معقولات میں مشہور تھے، منطق کا سبق شروع کر دیا، مگر وہ علم ادب سے ناواقف تھے اس لئے ایک گھنٹہ مولانا محمد یحییٰ صاحب ان سے حمد اللہ پڑھا کرتے اور ایک گھنٹہ مولانا ید اللہ صاحب آپ سے مقامات حریری پڑھا کرتے تھے...

مولانا فرماتے تھے کہ حمد اللہ میں نے اٹھارہ دن میں پڑھی، کہ ظہر کے بعد اس کا سبق ہوتا تھا... اس لئے صبح ہی میں حمد اللہ اور اس کے حواشی لے کر مطالعہ دیکھنے کو نانی اماں کی چھت پر جا بیٹھتا، اور ۱۲ بجے اتر کر روٹی کھایا کرتا تھا، بسا اوقات حمد اللہ کے سبق میں استاذ سے بحث ہو جاتی کہ میں جو مطلب سمجھا ہوتا، وہ اس کو غلط بتاتے اور دوسرے عنوان سے تقریر فرماتے تھے میں کہہ دیا کرتا تھا کہ مطلب تو یہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں، مگر گفتگو مقامات کے گھنٹہ میں کروں گا ورنہ میرا سبق ناقص رہ جائے گا...

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سلم مجھے ازبر یاد تھی، اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت کو از اول تا آخر دو، دو سو مرتبہ پڑھا ہے...

منطق اور ادب کے علاوہ درسیات کی باقی کتابیں آپ نے مدرسہ حسین بخش دہلی میں پڑھیں، یہ مدرسہ جامع مسجد بازار میں بختاور خاں کی حویلی کے آگے اور جامع مسجد کے جنوبی دروازہ کے سامنے چتلی قبر کو جاتے ہوئے داہنے ہاتھ کو ایک گلی میں واقع ہے، مدرسہ نہایت پر تکلف ہے، مسجد ہے اور مسجد کے گرد اسی سے ملحق مکانات و حجرے خوب صورتی کے ساتھ بنے ہوئے ہیں ان میں مدرسین و طلبہ رہتے ہیں، الحمد للہ مدرسہ اب بھی جاری ہے اور دینی خدمت انجام دے رہا ہے...

مگر حدیث پڑھنے کا خیال دل سے نکال دیا تھا، کیونکہ یہ خیال دل میں بیٹھ گیا تھا کہ

دہلی میں حدیث پڑھنے سے آدمی غیر مقلد ہو جاتا ہے...

فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی مولانا محمد صاحب نے چونکہ حدیث گنگوہ میں (حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے) پڑھی تھی اس لئے میں حضرت گنگوہی کا معتقد تھا اور میں نے ٹھان لی تھی کہ حدیث پڑھوں گا تو گنگوہ میں پڑھوں گا ورنہ نہیں پڑھوں گا مگر زمانہ وہ تھا کہ حضرت امام ربانی کی آنکھ میں پانی اترنا شروع ہو چکا تھا، اور حضرت نے دورہ کا درس بند فرما دیا تھا، یہاں (مدرسہ دہلی میں) امتحان کا وقت قریب آیا تو اہل مدرسہ نے مولانا محمد یحییٰ صاحب کا نام بھی بخاری شریف کے امتحان میں لکھ دیا، حالانکہ آپ نے اس کا ایک سبق بھی نہیں پڑھا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اہل مدرسہ نے والد صاحب پر زور دیا کہ ان کی وجہ سے ان کے مدرسہ کی شہرت اور مقبولیت تھی...

والد صاحب نے فرمایا...

یحییٰ کیا حرج ہے ابھی پانچ مہینے باقی ہیں اس میں پڑھ لو...

مولانا خود فرماتے ہیں کہ چنانچہ وہ پانچ مہینے میں نے نظام الدین کے حجرہ میں اس طرح گزارے ہیں کہ خود مسجد کے رہنے والوں کو معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں بجز ان دو لڑکوں کے جن کے ذمہ میری روٹی اور وضو کے لئے پانی لانا مقرر تھا، چنانچہ اسی دوران میں کاندھلہ سے میرے نکاح کی طلبی کا تار آیا تو لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یحییٰ عرصہ سے یہاں نہیں ہے اور نہ معلوم کہاں چلا گیا جب ان طلبہ کو خبر ہوئی تو مجھے بھی تار کی اطلاع ہوئی...

غرض اسی دوران میں نے بخاری شریف، سیرۃ ابن ہشام، طحاوی شریف، ہدایہ اور فتح القدیر بالاستیعاب اس اہتمام سے دیکھی ہیں، کہ مجھے خود حیرت ہے... ممتحنین میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جن کے پاس بخاری کا امتحان تھا اور حضرت شیخ الہند جن کے پاس ترمذی کا تھا اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب و دیگر اکابر کے پاس دوسری کتب کا، کھانے کی مجلس میں میرے والد صاحب اور یہ سب حضرات شریک تھے تو حضرت سہارنپوری نے میرے والد صاحب سے فرمایا، کہ آپ کے لڑکے نے ایسے جوابات لکھے ہیں کہ اچھے مدرس بھی نہیں لکھ سکتے...

حضرت مولانا یحییٰ صاحب نے چونکہ پہلے ہی طے کر رکھا تھا کہ حدیث پڑھوں گا تو حضرت گنگوہی سے ورنہ نہیں، اور اعلیٰ حضرت گنگوہی امراض کی کثرت اور بہت سے عوارض، خاص طور سے آنکھ میں پانی اترنے کی وجہ سے ۱۳۰۸ھ سے سالانہ دورہ ملتوی فرما چکے تھے...

مولانا خلیل احمد صاحب نے حدیث کے امتحان (میں جو مدرسہ حسین بخش دہلی میں ہوا تھا اور مولانا نے مطالعہ اور محنت سے اس کی تیاری کی تھی) کے جوابات دیکھ کر حضرت گنگوہی سے سفارش فرمائی کہ حضرت نے عذر کی وجہ سے سبق بند کر دیئے، مگر ایک سال دورہ میری درخواست پر اور پڑھا دیں، کہ مولانا اسماعیل صاحب کاندھلوی ثم دہلوی کے لڑکے مولوی یحییٰ کا میں نے امتحان لیا ہے، ایسا شاگرد حضرت کو نہ ملا ہوگا چنانچہ حضرت نے وعدہ فرمالیا،

اور یکم ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ سے ترمذی شروع فرمادی، جو صرف ایک گھنٹہ ہوتی تھی کہ امراض کی کثرت اور عوارض کی شدت کی وجہ سے اس سے زیادہ وقت نہ ملا، اسی وجہ سے یہ دورہ دو سال میں ہوا، اور ترمذی ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ کو یعنی چودہ ماہ کے اندر ختم ہوئی۔

اس کے چار دن بعد ابوداؤد شریف ۲۲ ذی الحجہ پنجشنبہ کو شروع ہوئی اس کے بعد چونکہ نزول آب کے آثار بھی شروع ہو گئے تھے اس لئے بقیہ کتب کو جلدی سے طلبہ کے اصرار پر ختم کرایا، اور ۷ ربیع الاول پنجشنبہ ۱۳۱۲ھ کو ابوداؤد ختم فرمائی اور اس کے بعد بخاری شریف دو دن بعد ۹ ربیع الاول شنبہ کے دن شروع ہوئی اور یکم جمادی الاول کو جلد اول ختم ہو کر اس کے ختم کے بعد جلد ثانی شروع ہوئی جو ۱۷ جمادی الثانیہ کو ختم ہوئی اور اس کے بعد چونکہ نزول آب کی شدت ہو گئی تھی اس لئے نہایت جلدی میں دو ماہ کے اندر مسلم شریف، نسائی شریف ابن ماجہ پوری ہوئیں اور ۲۳ شعبان ۱۳۱۳ھ کو یہ دورہ ختم ہوا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی تدریس کتب کا یہی معمول تھا جو اوپر لکھا گیا، ان میں ترمذی شریف پر محدثانہ، فقیہانہ کلام زیادہ ہوتا تھا اور بخاری شریف کے درس میں تراجم پر کلام اور ان کے علاوہ بقیہ کتب میں کوئی حدیث وغیرہ غیر مکرر یا کوئی نئی بات ہوتی تو اس پر کلام ہوتا... اور اس طرح حضرت کا آخری دورہ ہوا جس کو آخری دور کا آخری منظر کہا جاتا ہے، اور مولانا یحییٰ صاحب کے طفیل ایک کثیر جماعت جو

مایوس ہو چکی تھی اس آخری بہار کے دیکھنے کو پھر گنگوہ میں جمع ہوگئی، مولانا یحییٰ صاحب کا یہ دورہ پڑھنے کے لئے گنگوہ آنا، گویا حضرت کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر کے آنا تھا، کہ بارہ برس تک جانے کا نام نہ لیا، حتیٰ کہ امام ربانی دنیا سے سدھار گئے اور وہ بہار ہی ختم ہوگئی جس نے دنیا کو قدوسی منظر دوبارہ دکھانے کے اپنی طرف کھینچا تھا، آپ کا قیام لال مسجد کے حجرہ میں ہوا اور آخر تک وہ حجرہ آپ کے پاس رہا...

☆☆☆☆

آپ کا نام نامی اسم گرامی ''غلام حبیب'' ہے...ابتدا میں والدہ صاحبہ نے آپ کا نام ''حبیب اللہ'' تجویز کیا جبکہ والد ماجد نے ''غلام حبیب'' نام پسند کیا...

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۰۴ء بمطابق ۱۳۲۲ھ میں ہوئی...

آپ کا آبائی گاؤں موضع کرڈھی وادی سون ضلع خوشاب ہے...

آپ نے لڑکپن ہی میں علاقہ کے معروف استاد حضرت قاری قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پاک حفظ کیا...دوران تعلیم جب کبھی بچپن کی وجہ سے آپ سبق کے معاملہ میں سستی کرتے والدہ صاحبہ آپ کا کھانا بند کر دیتی تھیں...کبھی کبھار آپ کو ستون سے باندھ دیتی تھیں کہ جب سبق پختہ ہوگا تب چھوڑوں گی...

آپ نے علمی کتابیں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید امیر رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے...آپ کا علمی ذوق وشوق دیکھ کر انہوں نے مروجہ نصاب کی بجائے چیدہ چیدہ کتابیں ایسے انداز سے آپ کو پڑھائی کہ آپ کا سینہ علم نافع کا خزینہ بن گیا...آپ نے تائید غیبی اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت علم کے جام پہ جام لنڈھائے...خالق ارض اسماء نے اکتسابی علم کے ساتھ ساتھ وہبی علم کے دروازے بھی آپ پر کھول دیئے...

رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ (واں بھچراں والے) اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی خانقاہ ڈیپ شریف وادی سون تشریف لاتے رہے اور کئی کئی مہینے اپنے شیخ کی اتباع میں قیام فرماتے رہے...

آپ نے اس وقت کو عظیم نعمت سمجھا اور تفسیر قرآن کے لئے حضرتؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا... حضرتؒ نے علم کے گوہر نایاب آپ کو عطا کئے... جو آپ نے ستارے سمجھ کر اپنے آسمان قلب پر سجالئے... کلام الٰہی کے ساتھ طبعی رغبت نے آپ کو وہ شوق بخشا کہ باید وشاید... تفسیر قرآن کے معاملے میں ابھی آپ کو سیرابی نصیب نہ ہوئی تھی کہ حضرت مولانا حسین علیؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا... آپ نے تکمیل کے لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا... حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جی بھر کر آپ کو علوم سے سیراب کیا... اسی دوران آپ کو زیارت حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی... وہاں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کا موقع ملا... جنہوں نے اپنی آتش شوق سے ایک انقلابی جذبہ آپ میں پھونک دیا...

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے قرآن شریف زیادہ تر حافظ حسین علی صاحب مرحوم سے حفظ کیا جو دہلی کے باشندہ تھے مگر میرٹھ میں سکونت اختیار کرلی تھی... شروع کے چند پارے آخون جی صاحب سے پڑھے تھے جو کھتولی ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے پھر حافظ حسین علی صاحب سے تکمیل کی...

بالکل ابتدائی فارسی میرٹھ میں مختلف استادوں سے پڑھی تھی لیکن وہاں کے استادوں کے اب نام بھی یاد نہیں رہے... پھر تھانہ بھون میں فارسی کی متوسطات حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ سے پڑھیں اور انتہائی کتب ابوالفضل تک اپنے ماموں واجد علی صاحب سے پڑھیں جو ادب فارسی کے استاد کامل تھے پھر تحصیل عربی کے لیے دیوبند تشریف لے گئے وہاں بقیہ کتب فارسی مولانا منفعت علی صاحب دیوبندی سے پڑھیں... یعنی پنج رقعہ، قصائد عرفی اور سکندر نامہ...

حضرت والا کو فارسی میں دستگاہ کامل حاصل ہے... تحریر و تقریر نظم و نثر سب پر قدرت ہے... طلب علمی کے زمانہ میں جبکہ مرض خارشت کی وجہ سے مدرسہ سے چھٹی لے کر وطن تشریف لے آئے تھے... بطور مشغلہ مثنوی زیر و بم فارسی میں تصنیف فرمائی اور اس وقت صرف اٹھارہ برس کی عمر تھی...

عربی کی پوری تکمیل دیوبند ہی میں فرمائی اور صرف 19 یا 20 سال ہی کی عمر میں بفضلہ

تعالیٰ فارغ التحصیل ہو گئے تھے... مدرسہ دیوبند میں تقریباً پانچ سال بسلسلہ طالب علمی رہنا ہوا... آخر ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں وہاں داخل ہوئے اور شروع ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہو گئے...

عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے وطن تھانہ بھون میں حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ سے پڑھیں اور دیوبند پہنچ کر مشکوٰۃ شریف مختصر معانی نور الانوار اور ملا حسن شروع کی تھیں... حضرت والا کے والد ماجد نے حضرت والا کو عربی پڑھانے کے لیے اسی وقت سے منتخب کر رکھا تھا جبکہ پاجامہ بھی نہیں پہنتے تھے... یعنی بالکل ہی بچپن سے' اسی طرح چھوٹے بھائی صاحب مرحوم کو اس وقت سے انگریزی کے لیے تجویز کر لیا تھا... آثار سے دونوں کی مناسبت معلوم کر لی ہوگی... بڑے دانشمند تھے اور گو دنیا میں مشغول تھے مگر نماز روزہ تلاوت وغیرہ کے بہت پابند تھے... انہوں نے نہایت شوق کے ساتھ حضرت والا کو عربی کی تعلیم دلائی...

ایک بار تائی صاحبہ نے فرمایا کہ

بھائی تم نے چھوٹے کو تو انگریزی پڑھائی ہے وہ تو خیر کما کھائے گا... بڑا عربی پڑھ رہا ہے وہ کہاں سے کھائے گا اس کی گزر اوقات کی کیا صورت ہوگی کیونکہ جائیداد وارثوں میں تقسیم ہو کر قابل گزارے کے نہ رہے گی...

یہ بات والد صاحب کو بہت ناگوار ہوئی اور باوجود اس کے کہ تائی صاحبہ کا بہت ادب اور لحاظ فرماتے تھے لیکن یہ سن کر جوش آ گیا اور کہنے لگے کہ

''بھابی صاحبہ تم کہتی ہو کہ یہ عربی پڑھ کر کھائے گا کہاں سے خدا کی قسم جس کو تم کمانے والا سمجھتی ہو ایسے ایسے اس کی جوتیوں سے لگے لگے پھریں گے اور یہ ان کی جانب رخ بھی نہ کرے گا تم نے یہ کہہ کر مجھے سخت تکلیف دی اور سخت رنج پہنچایا''...

اس کو نقل کر کے حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ

اگر یہ بات کوئی درویش کہتا تو آج یہ اس کی بڑی کرامت سمجھی جاتی لیکن والد صاحب تو بیچارے ایک دنیا دار شخص سمجھے جاتے تھے... اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور یقین کی برکت سے ایسا ہی کر دیا... میرے تو دل سے دعائیں نکلا کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو ٹھنڈی رکھے میرے ساتھ بڑا احسان کیا...

انہی کی بدولت یہ چار حرف سیکھ لیے ہیں جو کام آ رہے ہیں ورنہ ہم بھی نہ معلوم کس رنگ میں ہوتے اور گو مجھے کچھ آیا گیا نہیں لیکن اس پر بھی مجھے دیکھ دیکھ کر بھائی کو بارہا یہ حسرت ہوئی کہ مجھ کو بھی والد صاحب نے عربی ہی کیوں نہ پڑھائی...

اور الحمدللہ مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوا کہ مجھ کو انگریزی کیوں نہ پڑھائی...

واقعہ مذکورہ سے اندازہ فرما لیا جائے کہ حضرت والا کے والد ماجد نے کس شوق اور خلوص سے حضرت والا کو عربی کی تعلیم دلائی تھی اور اللہ تعالیٰ پر کس درجہ وثوق اور حسن ظن تھا...

اسی حسن ظن اور صدق نیت کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ نے ان کی پیشین گوئی کو حرف بہ حرف صحیح کر کے دکھلا دیا... فالحمدللہ حمداً کثیراً...

اس جگہ دو خواب جو حضرت والا نے طالب علمی کے زمانے میں دیکھے تھے مختصراً بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے.. ایک خواب کا تو خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت والا کو ایک بزرگ نے اور ایک دنیاوی حاکم نے دو متفرق تحریریں لکھ کر دیں اور دونوں میں یہ لکھا تھا کہ ہم نے تم کو عزت دی...

ایک پر تو چاروں طرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی مہر لگی ہوئی تھی اور وہ صاف پڑھی جاتی تھی...

دوسری مہر کے حروف پڑھے نہ جاتے تھے...

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ نے اس کی یہ تعبیر دی تھی کہ

"تمہیں انشاء اللہ تعالیٰ دین اور دنیا دونوں کی عزت نصیب ہوگی"

دوسرا خواب یہ دیکھا کہ

"ایک تالاب جس میں سے فوارہ کی طرح چاندی ابل رہی ہے حضرت والا کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے

"اس کی مولانا نے یہ تعبیر دی تھی کہ

ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا تمہارے پیچھے پیچھے لگی پھرے گی اور تم اس کی طرف رخ بھی نہ کرو گے...

حضرت والا کی ذہانت بچپن کی شوخیوں میں بھی نمایاں تھی...

نئی نئی جدتیں سوجھتی تھیں...

خود فرماتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے کیا شرارت سوجھی کہ برسات کا زمانہ تھا مگر ایسا کہ کبھی برس گیا کبھی کھل گیا مگر چارپائیاں باہر ہی بچھتی تھیں

جب برسنے لگا چارپائیاں اندر کرلیں جب کھل گیا باہر بچھالیں...

والدہ صاحبہ کا تو انتقال ہو چکا تھا بس والد صاحب اور ہم دونوں بھائی ہی مکان میں رہتے تھے تینوں کی چارپائیاں ملی ہوئی بچھتی تھیں... ایک دن میں نے چپکے سے تینوں چارپائیوں کے پائے رسی سے آپس میں خوب کس کے باندھ دیئے اب رات کو جو مینھ برسنا شروع ہوا تو والد صاحب جدھر سے بھی گھسیٹتے ہیں تینوں کی تینوں چارپائیاں ایک ساتھ گھسٹتی چلی آتی ہیں...

رسیاں کھولتے ہیں تو کھلتی نہیں کیونکہ خوب کس کے باندھی گئی تھیں کاٹنا چاہا تو چاقو نہیں ملتا غرض بڑی پریشانی ہوئی اور بڑی مشکل سے پائے کھل سکے اور چارپائیاں اندر لے جائی جاسکیں...

اس میں اتنی دیر لگی کو خوب بھیگ گئے... والد صاحب بڑے خفا ہوئے کہ یہ کیا نامعقول حرکت تھی...

ایک نابینا حافظ تھے جن کو کلام مجید بہت پختہ یاد تھا اور اس کا ان کو ناز بھی تھا...

ان کو حضرت والا قبل بلوغ نوافل میں کلام مجید سنایا کرتے تھے...

ایک بار رمضان شریف میں دن کو ان سے کلام مجید کا دور کر رہے تھے...

حضرت والا نے دور کے وقت ان کو متنبہ کر دیا کہ حافظ جی میں آج تم کو دھوکا دوں گا اور یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ فلاں آیت میں دھوکا دوں گا...

حافظ جی نے کہا کہ میاں جاؤ بھی تم مجھے کیا دھوکا دے سکتے ہو بڑے بڑے حافظ تو مجھے دھوکا دے ہی نہ سکے...

حضرت والا جب سنانے کھڑے ہوئے اور اس آیت پر پہنچے **انما انت منذر ولکل قوم ھاد** تو بہت ترتیل کے ساتھ پڑھا جیسا کہ رکوع کرنے کے قریب حضرت

والا کا معمول ہے...

اس کے بعد اس سے آگے جب اللّٰہ یعلم الخ پڑھنے لگے تو لفظ اللہ کو اس طرح بڑھا کر پڑھا کہ جیسے رکوع میں جا رہے ہوں اور تکبیر یعنی اللّٰہ اکبر کہنے والے ہوں بس حافظ جی یہ سمجھ کر رکوع میں جا رہے ہیں فوراً رکوع میں چلے گئے...

ادھر حضرت والا نے آگے قرأت شروع کر دی یعلم ما تحمل الخ اب ادھر حافظ جی تو رکوع میں پہنچے اور ادھر قرأت شروع ہو گئی فوراً حافظ جی سیدھے ہو کر کھڑے ہوئے...

اس پر حضرت والا کو بے اختیار ہنسی آ گئی اور قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور ہنسی سے اسقدر مغلوب ہوئے کہ نماز توڑ کر الگ ہو گئے...

حضرت والا کے والد ماجد بھی علیٰحدہ پلنگ پر بیٹھے قرآن شریف سن رہے تھے انہوں نے سبب پوچھا...

جب حضرت والا نے واقعہ بیان کیا تو باوجود متانت انہیں بھی ہنسی آ گئی... حضرت والا کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ نماز میں قہقہہ سے نابالغ کا وضو نہیں ٹوٹتا صرف نماز فاسد ہوتی ہے...

لہٰذا پھر نماز کی نیت باندھنے لگے تو والد ماجد نے روکا کہ ابھی نہیں پہلے خوب ہنس لو ورنہ پھر ہنسی آئے گی اور نماز فاسد ہو گی...

بڑے ہی دانشمند تھے... جب حضرت والا خوب ہنس لیے تب مکرر نماز کی نیت باندھی اور جتنا اس روز قرآن سنانا تھا اس کو پورا کیا...

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچپن ہی سے جہاں کہیں رہا اعزہ اقربا اپنے بیگانے نے سب کا محبوب ہی رہا حالانکہ میں بچپن میں بہت شوخیاں کیا کرتا تھا... مگر آج کل کے لڑکوں کی سی گندی شرارتیں نہ ہوتی تھیں اس لیے سب کو بجائے ناگوار ہونے کے بھلی معلوم ہوتی تھیں... دیوالی کے زمانہ میں میرٹھ چھاؤنی کے بازار میں سڑک پر دورویہ چراغ جلائے جاتے تھے دونوں طرف ہم دونوں بھائی چلنا شروع کرتے اور رومال کو حرکت دے کر سب کو ایک طرف سے بجھاتے چلے جاتے مگر کوئی برا نہ مانتا... ہندوؤں کو بھی ناگوار نہ ہوتا...

حضرت والا کو نماز کا بچپن ہی سے اس قدر شوق تھا کہ بعض کھیلوں میں بھی نماز

ہی کی نقل اتارتے۔

مثلاً سب ساتھیوں کے جوتے جمع کیے اور ان کی صفیں بنائیں اور ایک جوتا صفوں کے آگے رکھ دیا اور خوش ہوئے کہ جوتے بھی نماز پڑھ رہے ہیں...

وعظ کا بھی بچپن ہی سے شوق تھا اور اس کی بھی نقل اتارا کرتے...

چنانچہ جب کبھی بازار کی طرف کسی چھوٹے موٹے سودے کے لیے بھیجے جاتے تو جو مسجد راستوں میں پڑتی اس میں چلے جاتے...

سیدھے منبر پر جا چڑھتے اور کھڑے ہو کر کچھ خطبہ کی طرح پڑھ پڑھا کر وہاں سے چلے آتے...

چونکہ وہ نماز کا وقت نہ ہوتا تھا اس لیے مسجد میں تنہائی بھی ہوتی تھی...اس صورت میں کوئی دیکھنے والا تو ہوتا نہ تھا جس سے شرم آتی خوب آزادی کے ساتھ خطبہ پڑھنے کے شوق کو پورا کرتے...

گویا وعظ گوئی اور خطبہ خوانی کا حضرت والا کو بچپن ہی سے شوق تھا...

خدا کی شان ہونے والی بات...غرض حضرت والا کو دین کی باتوں کا لڑکپن ہی سے شوق تھا یہاں تک کہ بہت چھوٹی عمر میں بھی جبکہ عربی کی محض ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے...

صرف ۱۲...۱۳ برس ہی کی عمر تھی پچھلی رات تہجد کو اٹھتے اور نوافل و وظائف پڑھتے...

تائی صاحبہ بڑی محبت فرماتی تھیں وہ منع بھی فرماتیں کہ بیٹے ابھی تیری عمر ہی کیا ہے اور بہت کڑھتیں...

خاص طور سے جب سردی کے زمانہ میں حضرت والا کو اس چھوٹی سی عمر میں پچھلی رات اٹھ کر وضو کرتے اور تہجد پڑھتے دیکھتیں تو ان کا بہت جی کڑھتا اور بیچاری محبت کے مارے جب تک حضرت والا تہجد اور وظیفہ سے فارغ نہ ہو جاتے برابر بیٹھی جاگا کرتیں...

حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ مجھ کو دین کا شوق جس کی ایک فرع تہجد بھی ہے میرے ابتدائی استاد حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ کے فیض صحبت سے پیدا ہوا تھا جو ایک بہت ہی بابرکت اور صاحب نسبت اور صاحب اجازت بزرگ تھے...

حضرت والا نے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ نہ کھیلتے تھے کیونکہ ان کے برے افعال کا

حضرت والا کو علم تھا... بس اپنی ہمشیرہ کے ساتھ گھر کے اندر ہی کھیلا کرتے... حضرت والا کا یہ علیحدہ رہنا لڑکوں کو بہت ناگوار تھا...

یہاں تک کہ چاقو لیے لیے پھرتے تھے کہ کہیں ملیں تو ماریں... مکتب میں ملازم کے ساتھ آتے جاتے جب کسی طرح لڑکے فساد سے باز نہ آئے... مجبوراً اس کی تھانہ میں رپورٹ کی گئی...

تھانہ دار نے حضرت والا کو اور سب لڑکوں کو بلا کر حضرت والا ہی کے ہاتھ سے بید لے کر جو اس وقت لیے ہوئے تھے لڑکوں کو خوب مارا پیٹا...

اس کے بعد پھر کسی کی ہمت نہ پڑی اور اندیشہ رفع ہو گیا...

حضرت والا بچپن میں کسی کا ننگا پیٹ نہیں دیکھ سکتے تھے دیکھتے ہی بس فوراً قے ہو جاتی تھی...

یہ حضرت والا نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے سنا چونکہ لڑکوں کو یہ معلوم تھا اس لیے حضرت والا کو تنگ کیا کرتے اور پیٹ کھول کھول کر دکھاتے اور حضرت والا قے کرتے کرتے پریشان ہو جاتے...

حضرت والا نے ایک خواب بالکل اپنے بچپن کا کہ اس سے پہلے کوئی خواب ہی دیکھنا یاد نہیں...

اس طرح بیان فرمایا کہ میرٹھ کے جس مکان میں ہم لوگ رہتے تھے...

اس میں دو درجہ کی دہلیز ہے بڑے درجہ میں ایک پنجرہ رکھا ہوا دیکھا

جس میں دو خوبصورت کبوتر ہیں پھر یہ دیکھا کہ شام ہو گئی اور وہاں اندھیرا ہو گیا... ان کبوتروں نے مجھ سے کہا کہ اندھیرا ہو گیا ہے...

ہمارے پنجرہ میں روشنی کر دو...

میں نے کہا

تم خود ہی کر لو

چنانچہ انہوں نے اپنی چونچیں رگڑیں اور رگڑتے ہی خوب تیز روشنی ہو گئی اور تمام پنجرہ روشن ہو گیا...

جب ایک مدت کے بعد ماموں واجد علی صاحب مرحوم سے میں نے یہ خواب بیان کیا تو

انہوں نے یہ تعبیر دی کہ وہ دو کبوتر روح اور نفس تھے...

کیونکہ صوفیہ کرام اپنی اصطلاح میں روح کو نر اور نفس کو مادہ کہتے ہیں...

تو روح اور نفس نے تم سے یہ درخواست کی کہ تم مجاہدہ کر کے ہم کو نورانی کر و تم نے جو یہ کہا کہ تم خود ہی روشنی کر لو اور انہوں نے اپنی اپنی چونچیں رگڑ کر روشنی کر لی...

اس کا یہ مطلب تھا کہ تم ریاضت و مجاہدہ نہ کرو گے...

ان شاء اللہ تعالیٰ بلا ریاضت و مجاہدہ ہی حق تعالیٰ تمہاری روح اور تمہارے نفس کو نور عرفاں سے منور فرما دیں گے...

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اس تعبیر کا خیر ایک جز و تو صحیح نکلا کہ ریاضت و مجاہدہ مجھ سے کچھ نہ ہوا لیکن ابھی نور تو پیدا ہوا نہیں اللہ تعالیٰ نور بھی پیدا فرما دے...

حضرت اقدس جناب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک بار حضرت والا کے متعلق اپنے ایک خادم سے فرمایا تھا کہ

مجھے تو ان سے اس وقت سے محبت ہے جب وہ مجھ کو جانتے بھی نہ تھے...

غرض حضرت والا بچپن ہی سے بزرگان دین کے محبوب اور منظور نظر تھے

اور ابتداء عمر ہی سے آثار سعادت و مقبولیت عند اللہ کا ظہور ہونے لگے تھا...

آثار نیک میں سے ایک یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت والا کی تائی صاحبہ نے جن کے پاس بچپن میں رہے ہیں...

خود حضرت والا سے بیان کیا کہ لڑکپن میں اکثر دیکھا گیا کہ جب حضرت والا کو کہیں سفر کرنے کا اتفاق ہوا...

تو اس روز ابر ضرور ہو گیا اور بہت راحت کے ساتھ سفر طے ہوا...

حضرت والا کے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ

یہ لڑکا بہت خوش قسمت معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی ہر تقریب کے موقع پر مجھے اللہ تعالیٰ نے اتنا دیا کہ میں نے خوب دل کھول کر خرچ کیا...

چنانچہ حضرت والا کی شادی پر انہوں نے علاوہ پیسوں کے روپے بھی بکھیرے تھے

جس کی بڑی شہرت ہوئی تھی اور بڑے پیانہ پر اہل قصبہ کی دعوت کی تھی...

نیز حضرت والا جتنا خرچ مانگتے وہ بے دریغ دے دیتے

اور چھوٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب مرحوم کو حساب سے دیتے اور پھر ان سے حساب بھی لیتے...

اس پر بھائی صاحب نے شکایت کی تو فرمایا کہ

بھائی مجھے اس پر رحم آتا ہے وہ جو کچھ مجھ سے لیتا ہے میری زندگی ہی تک ہے میرے بعد یاد رکھو وہ میرے مال ومتاع سے بالکل علیحدہ رہے گا

چنانچہ واقعی حضرت والا نے مشتبہ مال بالکل نہیں لیا اور بقیہ زمینداری کے بجائے کچھ نقد لے کر جس میں کچھ مکان بنانے میں خرچ ہوا کچھ حج ثانی میں خرچ ہوا...زمینداری سے بھی دست بردار ہو گئے...

والد ماجد کچھ طالب علمی ہی کے زمانہ سے حضرت والا کا رنگ طبیعت پہچان گئے تھے... بڑے دانشمند اور صاحب فراست تھے...

حضرت والا بہت سے مسائل جواز وعدم جواز اپنے والد صاحب سے بھی باادب عرض کرتے رہتے تھے...

چنانچہ ایک بار جائیداد رہن رکھنے کے متعلق لکھا کہ

یہ ناجائز ہے

اس پر والد صاحب نے ایک ملنے والے ہندو سے کسی قدر شکایت کے لہجہ میں کہا کہ

ہم نے اپنے ایک لڑکے کو عربی پڑھوائی ہے وہ ہمیں ہر بات پر ٹوکتا ہے کہ یہ بات خلاف شرع ہے وہ بات ناجائز ہے ہمیں رائے دیتا ہے کہ رہن رکھنا چھوڑ دو...

یہ سن کر اس ہندو نے کہا کہ

منشی جی یہ تو بڑے خوش ہونے کی بات ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بیٹا بڑا لائق ہے آپ کا بڑا خیر خواہ ہے اگر آپ اس کو نجوم پڑھاتے تو وہ آپ کو مہورت کی باتیں بتاتا...

قانون پڑھاتے تو قانون بتاتا طب پڑھاتے تو نافع ومضر چیزیں بتلاتا

آپ نے اس کو دین پڑھایا ہے تو وہ لامحالہ دین کی باتیں ہی بتائے گا...شکر کرو بڑا

لائق ہے بڑا خیر خواہ ہے...

آخرت کے عذاب سے بچانا چاہتا ہے آپ کو تو اس بات پر بہت خوش ہونا چاہیے کہ جو کچھ میں اس کے پڑھانے میں خرچ کر رہا ہوں وہ ٹھکانے لگ رہا ہے اھ...

طالب علمی کے زمانہ میں حضرت والا کسی سے ملتے جلتے نہ تھے...

یا تو پڑھنے میں لگے رہتے

یا اگر کسی وقت فرصت ہوتی تو اپنے استاد خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مدرس اول کی خدمت میں جا بیٹھتے...

ایک دن مولانا تو کہیں تشریف لے گئے تھے اور حضرت والا کو فرصت تھی تو بجائے اس کے کہ فضولیات میں وقت صرف کر دیں اپنے دوسرے استاد مولانا سید احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے...

مولانا نے دریافت فرمایا

کیسے آئے

حضرت والا نے غایت سادگی سے صحیح بات عرض کر دی کہ

آج حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ باہر تشریف لے گئے ہیں اس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں

دیوبند میں بعضے دور کے اعزہ بھی تھے مگر ان سے بھی حضرت والا نہ ملتے تھے...

شروع شروع میں بعض اعزہ نے اصرار کیا کہ کھانا گھر کا پکا ہوا ہمارے گھر آ کر کھا لیا کرو کیوں تکلیف اٹھا رہے ہو...

حضرت والا نے بلا والد صاحب کی اجازت کے بطور خود ایسا کرنا ہرگز گوارا نہ کیا لیکن جب والد صاحب کو لکھا تو انہوں نے ڈانٹ لکھ کر بھیجی کہ

تم وہاں رشتہ داریاں جتانے کے لیے گئے ہو یا طلب علمی کرنے؟

خبردار جو کسی عزیز کے پاس آئے گئے

چنانچہ پھر حضرت والا نے ملنا جلنا بھی چھوڑ دیا اور برابر اسی طرز سے طلب علمی کا پورا زمانہ

گزار دیا...

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ الحمد للہ میں وہاں جیسا بے داغ گیا تھا ویسا ہی پانچ برس رہ کر بے داغ لوٹ آیا...

جب فارغ التحصیل ہوگیا اس وقت آزادی کے ساتھ اپنے سب اعزہ سے جا کر ملا اور پھر ان کی دعوتیں بھی قبول کیں...

اس سے قبل کسی سے میل جول پیدا نہ کیا نہ اعزہ سے نہ طلباء سے نہ اہل قصبہ سے...

اگر کوئی میل جول بڑھانا چاہتا تو اس کے ساتھ بے رخی سے پیش آتا یہاں تک کہ لوگ عموماً دماغ دار سمجھتے تھے... حالانکہ یہ بات نہ تھی...

دراصل مجھ کو اپنا وقت فضول ضائع کرنے سے نفرت تھی اھ...

حضرت والا کی ذہانت وذکاوت اور حافظہ سب طالب علموں میں مشہور تھا...

طالب علمی کے زمانہ میں ایک دفعہ طلبہ کی آموں کی دعوت تھی جس میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بھی شریک تھے...

جب آم تھوڑے سے رہ گئے تو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے انداز سے معلوم کر لیا کہ اب سب طلبہ آپس میں گٹھلی چھلکا چلانا چاہتے ہیں تو مولانا قصداً صحن سے اٹھ کر درس گاہ میں تشریف لے گئے... پھر خوب گٹھلی چھلکا چلا

جس میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بھی از راہ غایت تواضع و بے تکلفی شریک رہے...

جب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ درسگاہ میں تشریف لے جانے لگے تو حضرت والا بھی موقع کو غنیمت سمجھ کر ساتھ ہوئے پھر جب طالب علم زیادہ شرارتیں کرنے لگے تو حضرت مولانا دروازہ پر تشریف لائے اتنا رعب تھا کہ پھر ایک بھی طالب علم نظر نہ آیا سب بھاگ گئے اور ادھر ادھر چھپ گئے...

پھر مولانا مکان تشریف لے آئے اور حضرت والا بھی مولانا کے ہمراہ لوٹ آئے اور اپنے حجرہ میں پہنچ گئے بعد کو طلبہ نے بہت چاہا کہ حضرت والا پر بھی رس یا پانی ڈالیں مگر حضرت والا نے حجرہ کے کیواڑ بند کر لیے یا اسی سے حضرت والا کے مذاق یکسوئی کا اندازہ فرما لیا جائے...

غرض حضرت والا نے طالب علمی کے زمانہ میں بھی کبھی اپنا وقت فضولیات یا بری صحبتوں میں ضائع نہیں کیا اور اپنے اصل مقصود یعنی تحصیل علوم ہی میں ہمہ تن مشغول رہے...

حضرت والا کو تحصیل علم کا اس قدر شوق تھا کہ بعض اساتذہ سے بعض خاص کتابیں جن کے لیے مدرسہ میں وقت نہ تھا اس طرح پڑھیں کہ وہ حضرات تو نماز کے لیے وضو کر رہے ہیں اور حضرت والا ان سے سبق پڑھ رہے ہیں...

حضرت والا کا سب اساتذہ خاص لحاظ فرماتے تھے اور بہت اچھی رائے رکھتے تھے...

چنانچہ جب حضرت والا مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز طلبہ کا امتحان لینے اور دستار بندی کرنے تشریف لائے تو حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا کی ذہانت اور ذکاوت کی خاص طور پر تعریف فرمائی...

تعریف سن کر مولاناؒ نے حضرت والا سے بہت مشکل سوالات کیے جن کے جوابوں سے مولانا بہت خوش ہوئے...

مولانا سید احمد صاحب نے سکندر نامہ میں امتحان لیا اور ایک شعر کا مطلب پوچھا تو چونکہ استاد کا بتایا ہوا مطلب یاد نہ تھا...

حضرت والا نے اپنی طرف سے مطلب بیان کیا...

مولانا نے دریافت فرمایا کہ کوئی اور بھی مطلب ہو سکتا ہے؟

حضرت والا نے دوسرا مطلب بیان کر دیا پھر دریافت کیا کہ اور کوئی مطلب بھی ہو سکتا ہے...

حضرت والا نے تیسرا مطلب بیان کر دیا...

مولانا نے فرمایا کہ ان میں سے ایک بھی مطلب صحیح نہیں لیکن تمہاری ذہانت پر نمبر دیتا ہوں حالانکہ مولانا سید احمد صاحب خود اس قدر ذہین تھے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو راس الاذکیا تھے فرمایا کرتے تھے کہ

خود اقلیدس بھی اگر ذہین ہوگا تو بس اتنا ہی ہوگا ان سے زیادہ نہ ہوگا...

ریاضیات میں بدرجہ کمال ماہر تھے باوجود اس کے کہ کسی استاد سے ریاضی پڑھی نہ تھی بلکہ بطور خود ہی مطالعہ کر کے اس فن کو حاصل کیا تھا...

غرض حضرت والا کی ذہانت کے متعلق ایسے ذہین وذکی کی شہادت بڑا پایہ رکھتی ہے...

ان سب معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ بحیثیت طالب علمی بھی حضرت والا اپنے ہم سبقوں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے...

اس زمانہ میں بھی حاضر جوابی وطلاقت لسانی اور ذہانت وفطانت اور منطق میں کمال مہارت کا وہ عالم تھا کہ دیوبند میں جہاں کوئی مذہب والا بغرض مناظرہ آتا...

حضرت والا فوراً پہنچ جاتے اور اس کو مغلوب کر دیتے...

ایک انگریز پادری سے بھی مناظرہ کرنے پہنچ گئے جب حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کو معلوم ہوا تو حضرت والا کے متعلق یہ سوچ کر کہ ابھی لڑکے ہیں کہیں مرعوب نہ ہو جائیں مولانا خود بھی حضرت والا کی اعانت کے لیے پہنچ گئے اور باتوں باتوں میں اس کو دومنٹ ہی کے اندر بند کر دیا عاجز دیکھ کر اس کی میم نے اس کو ایک پرچہ لکھا کہ تم چلے آؤ

چنانچہ وہ یہ کہہ کر میم صاحب بلاتی ہیں اسی وقت چلا گیا

اور پھر دیوبند ہی سے چلا گیا...

حضرت والا کی دستار بندی حضرت مولانا گنگوہیؒ کے مقدس ہاتھوں سے ۱۳۰۰ھ میں ہوئی...

اس سال دیوبند میں بہت بڑا اور شاندار جلسہ دستار بندی ہوا تھا...

حضرت والا نے جب سنا کہ دستار بندی ہونے والی ہے تو اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ

حضرت ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی اور سند فراغ دی جائے گی حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں لہٰذا اس تجویز کو منسوخ فرما دیا جائے...ورنہ اگر ایسا کیا گیا تو مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی...

یہ سن کر مولانا کو جوش آ گیا اور فرمایا کہ

تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لیے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہیے... باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی... جہاں جاؤ گے بس تمہی تم ہو گے... باقی سارا میدان

صاف ہے... اطمینان رکھو۔

حضرت والا یہ قول نقل کر کے فرمایا کرتے ہیں کہ واقعی حضرت مولانا کی پیشین گوئی کی یہ برکت ہوئی کہ الحمدللہ جہاں رہنا ہوا بڑے بڑے علماء بھی وقعت ہی کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور عوام و خواص سب مجھ ہی کو اکثر کے مقابلہ میں ترجیح دیتے رہے اھ... وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء...

مولانا نے فتویٰ نویسی کا کام بھی حضرت والا کو طالب علمی ہی کے زمانہ میں سپرد فرما رکھا تھا...

ایک بار ایک طویل استفتاء کا ویسا ہی طویل اور مفصل و مدلل جواب لکھ کر مولاناؒ کی خدمت میں پیش کیا...

مولانا نے اس کو پورا دیکھ کر اس پر دستخط تو فرما دیئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو فرصت بہت ہے اور ہم تو اس وقت دیکھیں گے جب خطوں کا ڈھیر کا ڈھیر تمہارے سامنے رکھا ہوگا اور پھر بھی تم اتنے لمبے لمبے جواب لکھو گے...

چنانچہ فی الواقع ایسا ہی ہوا کہ اب خطوط کے ڈھیر کے ڈھیر ہی حضرت والا کے سامنے روزانہ ہوتے ہیں اور حضرت والا بہت مختصر جوابات تحریر فرماتے ہیں مگر نہایت جامع مانع اور بالکل کافی شافی... (اشرف السوانح سے تلخیص شدہ)

☆☆☆☆
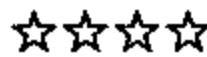
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ نے اپنے بچپن کے واقعات سنائے ہیں... میری عمر تین چار سال کی تھی... اچھی طرح سے چلنا بھی بے تکلف نہیں سیکھا تھا... سارا منظر خوب یاد ہے اور ایسی باتیں ذہن میں یاد ہوا کرتی ہیں...

میری والدہ نور اللہ مرقدھا کو مجھ سے عشق تھا... ماؤں کو محبت تو ہوا ہی کرتی ہے... مگر جتنی محبت ان کو تھی اللہ ان کو بہت بلند درجے عطا فرمائے... میں نے ماؤں میں بہت کم دیکھی...

اس وقت انہوں نے میرے لئے ایک خوبصورت تکیہ چھوٹا سا سیا تھا... ایک بالشت میری موجودہ بالشت سے چوڑا اور ڈیڑھ بالشت لمبا... اس کی ہیئت بھی کبھی نہیں بھولوں گا...

اس کے اوپر گوٹہ... گوکھرو... کرن بنت وغیرہ سب کچھ ہی جڑا ہوا تھا... نیچے لال قند کا غلاف اور اس پر سفید جالی کا جھالر... بہت ہی خوشنما... وہ مجھے اتنا محبوب تھا کہ بجائے سر کے میرے سینے کے اوپر رہا کرتا تھا... کبھی اس کو پیار کرتا... کبھی سینے پر چمٹایا کرتا...

ایک دن والد صاحب نے آواز دے کر فرمایا کہ "زکریا مجھے تکیہ دے دے"... مجھ میں پدری محبت نے جوش مارا اور اپنے نزدیک ایثار اور گویا دل پیش کر دینے کی نیت سے میں نے کہا کہ "میں اپنا تکیہ لے آؤں"...

فرمایا کہ "ورے آ" میں انتہائی ذوق وشوق میں کہ ابا جان اس نیاز مندی پر بہت خوش ہوں گے... دوڑا ہوا گیا...

انہوں نے بائیں ہاتھ سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر اور داہنے ہاتھ سے منہ پر ایسا زور سے تھپڑ رسید کیا کہ آج تک تو اس کی لذت بھولا نہیں اور مرتے وقت تک امید نہیں کہ بھولوں گا اور یوں فرمایا کہ "ابھی سے باپ کے مال پر یوں کہتا ہے کہ اپنا لاؤں... کچھ کما کر ہی کہنا کہ اپنا لاؤں"...

اللہ ہی کا فضل وکرم ہے اور محض اس کا ہی لطف واحسان ہے کہ اس کے بعد سے جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو دل میں یہ مضمون پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ اپنا اس دنیا میں مال نہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ دن بہ دن یہ مضمون پختہ ہی ہوتا جارہا ہے...

میری عمر آٹھ سال کی تھی...

حضرت گنگوہی قدس سرہ کے وصال کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا... حضرت کے وصال کے بعد والد صاحب نے خانقاہ شریف ہی میں بچوں کو تعلیم دینا شروع کر دیا تھا...

اور جس وقت یہ واقعہ لکھ رہا ہوں خوب یاد ہے کہ اسی لڑکے تھے... ان میں قاعدہ بغدادی پڑھنے والے بھی تھے اور حماسہ اور ہدایہ اولین پڑھنے والے بھی...

اوپر کے اسباق تو والد صاحب اور چچا جان پڑھایا کرتے تھے اور ہر اونچی جماعت والے کے ذمہ اس سے نیچے والی جماعت کے اسباق ہوتے تھے کہ اپنے پڑھے اور ان کو پڑھائے اور والد صاحب کے سامنے یہ اسباق پڑھائے جاتے تھے... خانقاہ کی مسجد میں اس

وقت تک والد صاحب ہی نماز پڑھاتے تھے...

نماز شروع ہوگئی اور میں خانقاہ کی مسجد میں ایک طاق تھا...اس پر ہاتھ رکھ کر لٹکنے کی کوشش میں تھا مگر اس پر میرا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا...

ان شاگردوں میں ایک شخص مولوی صغیر احمد تھے جو معلوم نہیں اب حیات ہیں یا نہیں مگر گنگوہ کے رہنے والے اور بعد میں بمبئی کے بڑے واعظوں میں ہوگئے تھے...

وہ وضو کر کے جلدی سے آئے اور ادھر رکوع شروع ہوگیا...انہوں نے تیزی سے آکر محبت کی بنا پر مجھے طاق پر لٹکا دیا... مجھے غصہ آگیا کہ میری کوشش میں اس نے ٹانگ کیوں اڑائی...جب سب سجدہ میں گئے تو میں نے مولوی صغیر کی کمر میں زور سے ڈک مارا... چوٹ تو ان کو کیا لگتی مگر آواز بہت ہوئی..نماز پڑھتے ہی مقدمہ قائم ہوگیا...

خانقاہ میں گولر کے نیچے سارا مجمع اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی سہ دری کے آخری در کے سامنے ابا جان اور مطالبہ یہ ''کہ کس نے مارا تھا اور کس کے مارا تھا؟'' مگر ڈر کی وجہ سے کوئی بولا نہیں...

دس بارہ منٹ کے بعد فرمایا کہ اچھا اب تو سبق کا حرج ہو رہا ہے سبق کے بعد سب کی چھٹی بند...جب تک تحقیق نہ ہو جائے...

عصر کے بعد دوبارہ میدان حشر قائم ہوا...ان کا مطالبہ اور جواب میں سکوت...انہوں نے فرمایا کہ کسی ایک کو بھی جانے کی اجازت نہیں...چاہے صبح ہو جائے

اور میں اپنے دل میں یہ دعائیں کر رہا تھا کہ جو ہونا ہوگا ہو جائے گا مولوی صغیر جلدی سے بتا دیں خواہ مخواہ سب پھنس رہے ہیں...

بالکل میدان حشر کا منظر تھا جس کی بنا پر سب پریشان پھر رہے تھے...کوئی پندرہ منٹ کے بعد مولوی صغیر نے دبی ہوئی اور مری ہوئی آواز زبان سے کہا کہ میرے مارا تھا اب تو مقدمہ کا بہت سا حصہ گویا طے ہو چکا اس پر سختی سے مطالبہ ہوا کہ ''کس نے؟'' مگر وہ چپ...

جب اس نے دیکھا کہ ''ضرب یضرب'' ہونے کو ہے تو اس نے میری طرف اشارہ کیا کہ ''اس نے''

اس پر والد صاحب نے فرمایا کہ اس نے؟ انہوں نے کہا جی پھر فرمایا کہ اس نے اس وقت والد صاحب کا دستور عصر کے بعد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر حاضری کا تھا... یہ نابکار بھی ساتھ ہوتا اور میری ایک چھوٹی سی چھتری تھی جو ٹوٹ گئی تھی اور اس کی ڈنڈی کو لکڑی بنالیا تھا جو مزار پر جانے کے وقت میں میرے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی...

میرے ہی ہاتھ سے چھین کر اتنا مارا کہ وہ چھوٹی سی لکڑی بھی دو جگہ سے ٹوٹ گئی اور صرف ایک لفظ ان کی زبان پر ہر مار پر ہوتا تھا "ابھی سے صاحبزادگی کا یہ سور"...

انہیں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ بد صاحبزادگی باپ کے شاگرد کو مار دیا... سردی کا زمانہ تھا اور میں روئی کا انگرکھا پہنا کرتا تھا مگر اس وقت نہیں تھا... اس لئے کہ صبح اور عشا کے وقت پہنا کرتا تھا اور عصر کے وقت چونکہ سردی نہیں ہوتی تھی... اس وقت صرف ایک ہی کرتہ بدن پر تھا... میرے بازو اتنے سوج گئے تھے کہ پندرہ دن تک انگرکھا بالکل نہیں پہن سکا... اس وقت تو نہیں مگر ان کا ایک خاص مقولہ جو کئی دفعہ مجھ سے فرمایا... یہ تھا کہ "اگر تو پٹتے پٹتے مرگیا تو تو شہید ہوگا... مجھے ثواب ہوگا"...

آپ خود سوچیں کہ جس کا یہ نظریہ ہو وہ کیا کسر چھوڑے گا...

اسی زمانے کا قصہ ہے کہ اس نابکار کو بزرگی کا جوش ہوا اور مغرب کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے حجرے کے سامنے لمبی نفلوں کی نیت باندھ لی...

ابا جان نے آکر زور سے تھپڑ مارا اور فرمایا کہ

"سبق یاد نہیں کیا جاتا"

میرے چچا جان اس زمانے میں بڑی لمبی نفلیں پڑھا کرتے تھے... بعد مغرب سے عشاء کی اذان کے قریب فارغ ہوا کرتے تھے... لیکن والد صاحب کے یہاں مختصر سے نوافل کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا...

اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی... دوسرے کو بھی پڑھنے نہیں دیتے... مگر جلدی ہی سمجھ میں آگیا کہ بات صحیح تھی...

وہ نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کے واسطے تھا... اس لئے کہ جب نفلیں پڑھنے

کا دور آیا تو اب نفس بہانے ڈھونڈتا ہے...

میری عمر دس سال تھی... میری والدہ گنگوہ سے رامپور جا رہی تھی... بہلی میں اور بھی چند مستورات تھیں اور میں بھی تھا...

ایک ٹٹو (گھوڑی) جس کے ساتھ اس کا چلانے والا بھی تھا... اس پر والد صاحب تشریف فرما تھے...

والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو گھوڑے کی سواری کی عادت نہ تھی مگر معمولی سا ٹٹو جس کے ساتھ چلانے والا بھی ہو اس پر دو دفعہ بیٹھنے کی نوبت آئی... راستہ میں ایک جگہ والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے از راہ شفقت ارشاد فرمایا کہ "تو گھوڑی پر بیٹھے گا؟" میں نے بہت شوق سے کہا "جی"

اور شوق سے کود پڑا اور گھوڑی پر بیٹھ کر شوق سے عزت میں گھوڑا کو بہلی کے سامنے لایا...

میری والدہ نے اور دوسری مستورات نے جب میں قریب پہنچا... کچھ زبان سے اور کچھ اشارے سے کہ بری بات ہے ابا تو پیدل جا رہے ہیں اور تو گھوڑی پر بیٹھا ہے...

میں نے ابا جان سے عرض کیا کہ عورتیں یوں کہہ رہی ہیں... انہوں نے بہت غصہ میں فرمایا کہ

"اندھی کے تجھے نظر نہیں آتا... عورتیں ہی کہہ رہی ہیں تیری آنکھیں پھوٹ گئی ہیں"...

میں فوراً سے اتر کر گاڑی میں بیٹھ گیا... اس بات پر مجھے اللہ کا شکر ہے کہ کوئی گرانی نہیں ہوئی اور میرے ذہن میں تھا کہ تو نے برا کیا...

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کو اس کا بھی بہت اہتمام تھا کہ میرے پاس پیسہ نہ رہے...

کسی دوسرے سے پیسہ لینا تو درکنار کسی کھانے پینے کی چیز کا لینا بھی ناممکن تھا بلکہ اس کے شبہ پر بھی سخت تحقیقات ہوتی تھیں...

البتہ خود پیسے دینے کا معمول تھا اور ساتھ یہ کہ میرے پاس پیسہ نہ رہیں...

اس لئے جب مجھے کچھ دینے کا ارادہ فرماتے تو پہلے والدہ سے فرما دیتے کہ زکریا کو اتنا پیسہ

یا روپیہ دینا ہے اور والدہ نور اللہ مرقدھا اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی اونچے درجے عطا فرمائے... مجھ سے محبت بے انتہا تھی... اسی وقت سے مجھے قرض دینے کے فضائل اور ثواب اتنے بے شمار سناتیں اور آخرت میں کارآمد ہونے کی ترغیبیں اور دنیا میں جو خرچ ہوا اس کی لغویت بتلاتیں اور اس کے بعد پھر فرماتیں کہ "تیرے پاس کچھ پیسے ہوں تو دے دے تجھے ثواب ہوگا"...

(ثواب کی اہمیت تو اس وقت کہاں ہوتی) اس لئے کہ ان پیسوں کا حساب دینا تو بڑا کام تھا اور اسی کا یہ اثر ہوا کہ اب تک پیسہ جیب میں رکھنے کی عادت نہیں...

اللہ نے دوست و احباب ایسے مہیا کرر کھے ہیں کہ وہ ہر وقت میری فرمائشیں پوری کرتے رہتے ہیں اور دو چار دن میں ایک بل مجھے دے دیتے ہیں...

شبہ پر تحقیقات ہوتی تھیں ایک واقعہ مثال کے طور پر لکھ رہا ہوں...

مدرسہ قدیم (دفتر مدرسہ مظاہر علوم) کی چھت پر والد صاحب کا قیام اور پیشاب کی جگہ اسی چھت پر اس کے بالمقابل تھی... والد صاحب پیشاب کیلئے تشریف لے گئے...

راستہ میں ایک جگہ سے کباب کی خوشبو آئی جو مولانا ظفر احمد صاحب پاکستانی شیخ الاسلام پاکستان نے کسی طالب علم سے بعد مغرب یہ کہہ کر کہ ایک کباب لا کر یہاں رکھ دینا میں نفلوں کے بعد لے لوں گا.. نماز کی نیت باندھ لی...

والد صاحب کے بعد میں پیشاب کو گیا... والد صاحب کو یہ شبہ ہوا کہ وہ کباب اس نے منگائے تھے اور پیشاب کے بہانے سے یہ کھا کر آیا ہے...

مجھ سے مطالبہ فرمایا کہ

"وہ کباب کس کے ہیں" میں نے لاعلمی ظاہر کی...

اول تو سختی سے فرمایا... پھر جا کر ان کو دیکھا تو وہ وہیں رکھے تھے...

چونکہ مولانا ظفر احمد صاحب زمانے میں شریک دستر خوان تھے... جب سب حضرات کھانے کے واسطے بیٹھے تو مولانا ظفر احمد صاحب نے کسی طالب علم سے فرمایا کہ وہاں کباب رکھے ہیں وہ اٹھا لاؤ تو والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو اطمینان ہوا... (آپ بیتی سے انتخاب)

تمت بحمدللہ